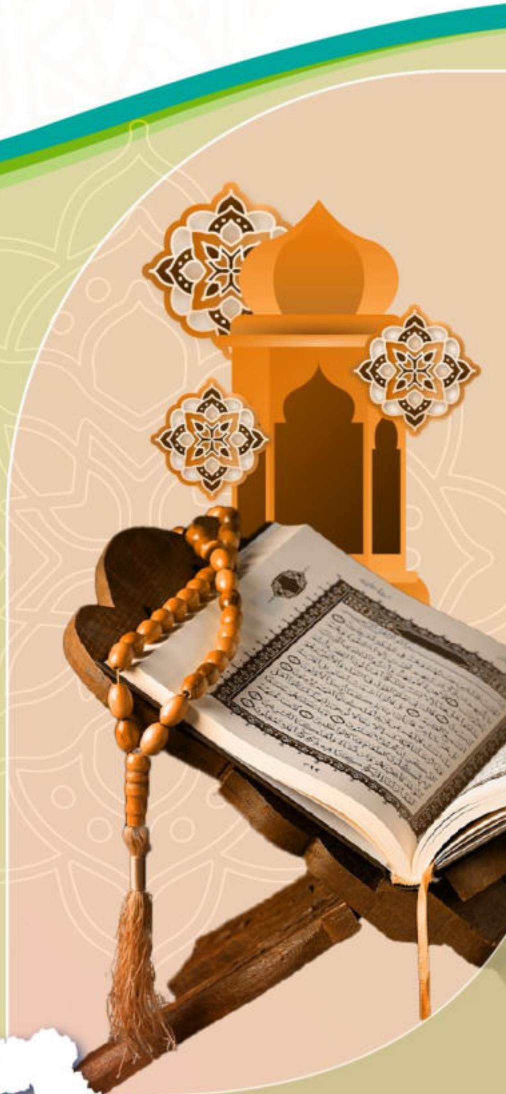
سہ ماہی مجلہ

عالمی تحریکِ جہاد کا داعی

الملحمہ

شعبان ۱۴۴۳ھ | مارچ 2022ء





الملحمه

رسول اللہ ﷺ نے دجال کے آنے سے قبل ایک بڑی جنگ کی پیش گوئی فرمائی ہے جسے "**الملحمۃالکبریٰ**" کہاجاتا ہے، یہ جنگ حق وباطل کے مابین آخری جنگ ہوگی جو کہ سیدناعیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دجال کے قتل پر اختتام پذیر ہوگی۔بظاہر دُنیا کے حالات اس جنگ عظیم کی طرف بڑھ رہے ہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو اس جنگ کی ابتدائی جھلکیاں نظر آنا شروع ہوچکی ہیں۔دجال کے خروج تک دو گروہ بالکل الگ الگ ہوجائیں گے ایک دجال کا ساتھ دینے والا اور دوسرا دجال سے ٹکرانے والا۔احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ دجال کے چنگل سے بچ جانے والا گروہ وہی ہوگا جس نے اپنے آپ کو ایمان وتقویٰ سے مزین کیاہوا ہوگا،جو ہر طرح کے طاغوت سے بغاوت کرنے والا اوراس سے ٹکرانے والا ہوگا اوراس گروہ سے وابستہ افراداللہ سے اپنی جانوں کے سودے کرچکے ہوں گے،یہی وہ لوگ ہوں گے جو قیامت تک حق پر قائم رہنے والے ہوں گے۔

آج کادور فتنوں کادورہے،اہل ایمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان فتنوں سے آگاہی حاصل کریں اوراپنے آپ کوان فتنوں سے بچاتے ہوئے دجال کے مقابلہ کیلئے کمربستہ ہوجائیں،حق اوراہل حق کو تلاش کرکے اپنی زندگی حق پر گذارنے کاعزم مصمم کرلیں۔

نبی الملاحم ﷺ کی اُمت کو دجال کے فتنوں اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے باخبر رکھنے، مجاہدین اسلام کے مابین وحدت وتعاون کی فضاء مضبوط کرنے،جہاد سے متعلق شرعی اہداف ومقاصد بیان کرنے اور غلبہ اسلام کی تحریکوں سے وابستگی اختیار کرنے والے افراد کی درست فکرومنہج کی طرف رہنمائی کرنے،...**غزوۂ ھند**اور'**الملحمۃ الکبریٰ**'کی تیاری کیلئے کی جانے والی کوششوں میں سے ایک کوشش کانام" **مجلہ الملحمہ**"ہے۔

سہ ماہی مجلہ

عالمی تحریکِ جہاد کا داعی

الملحمہ

جلد ۱/ شمارہ ۳

شعبان ۱۴۴۳ھ / مارچ ۲۰۲۲ء

فہرست

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے

SESSION





#alMalhamah

ادار یہ:



یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

افغانستان میں امریکہ کی ہزیمت کے بعد عالمی منظر نامہ بھی بدل رہا ہے۔ کل تک متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے آج آپس کی لڑائیوں میں الجھ چکے ہیں۔ وہ مغرب جو کسی دوسرے ملک میں جنگ میں شریک ہونے والوں کو "دہشت گرد" کہتا تھا، آج وہی مغرب یوکرین میں روس کے خلاف جنگ کے لیے جانے والوں کو ہیرو قرار دے رہا ہے۔ کل تک دوران جنگ خود کش حملوں کو غلط کہنے والے آج خود یہی عمل کر رہے ہیں۔

اس سب کے علاوہ اقوام متحدہ کا یوکرین معاملہ پر فوری ردِ عمل اور عشروں تک مقبوضہ اسلامی سرزمینوں کے حوالے سے مکمل خاموشی بلکہ اندرونِ خانہ قابض قوتوں کی مدد و نصرت نے مغربی قوتوں کے دوہرے معیار سے پردہ چاک کر دیا ہے۔ اس تمام صورتحال نے عالمی اداروں کی اسلام اور مسلمان دشمنی کو مزید واضح کر دیا ہے۔ اب اک عام مسلمان بھی یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عالمی اداروں کے دلکش نعرے محض دھوکہ ہیں، ان اداروں کا اصل مقصد مخصوص قوتوں کے مفادات کا تحفظ ہے، اور یہ اس مقصد کے حصول کے لیے کہیں لالچ دے کر تو کہیں ڈرا دھمکا کر کام کرواتے ہیں۔

خلافت اسلامیہ اور امتِ مسلمہ کے اتحاد کا سوچ کر ہی کفر کے سرغنوں کو خوف طاری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلم خطوں میں مسلمانوں پر ایسے طبقات کو مسلط کر رکھا ہے جو فکری اور عملی طور پر ان کے ایجنڈوں کی تکمیل کے لیے تمام تر وسائل لگا رہے ہیں۔ قومی مفاد کے نام عظیم تر اسلامی مفاد کے خلاف صف اول میں کردار ادا کر رہے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود پوری دنیائے کفر شکست سے دوچار ہے۔

شرق سے غرب تک ہر میدان میں ابطال اسلام نے اپنی استطاعت کے مطابق ان جارحیت پسندوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اب عسکری میدانوں سے ہی نہیں بلکہ فکری میدانوں سے بھی مِلت کفر کی پسپائی کا وقت ہے۔ اپنے تمام تر وسائل خرچ کرنے کے باوجود بھی یہ امتِ مسلمہ کے باہمی رشتے کو ختم نہیں کر سکے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال ہندوستان میں ظالم ہندوؤں کے سامنے ڈٹ جانے والی بہن کے حق میں پورے برصغیر سے مسلمانوں کی بلند ہوتی صدائیں ہیں۔

یہ صدائیں جو آج محض حوصلہ افزائی اور ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں بلند ہوئی ہیں، یہ تب فائدہ مند ثابت ہوں گی جب ہر نوجوان اور بوڑھا اسلام کے احکامات پر لبیک کہتے ہوئے "بدر" والوں کی طرح میدان عمل میں اترے گا۔

شعبان کا مہینہ گزر رہا ہے اور رمضان کی آمد ہے۔ رمضان المبارک انفرادی سطح پر بلندیوں، رفعتوں اور تعلق باللہ کی پہنائیوں کا سفر طے کراتا ہے۔ ہر نفل کا صلہ فرض کے برابر، ہر فرض ۷۰ گنا اجر کا حامل، لیلۃ القدر بندگیِ رب کی ہزار ماہ کی مسافت طے کرا دیتی ہے، روزے کا اجر و صلہ، خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات عطا کرتی ہے اور بندے کو اس کا رب مل جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح رمضان اجتماعی اور ملّی سطح پر بھی فتح و ظفر اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا عنوان ہے۔ نبی ﷺ نے ماہ رمضان میں کئی ایک غزوات اور سرایا سر انجام دیئے۔ اسی ماہ میں معرکۂ بدر اور فتح مکہ کے ابواب رقم ہوتے ہیں۔ اس ماہِ مبارک سے انفرادی اور اجتماعی طور پر سبق لینا ضروری ہے۔ ایک طرف تعمیرِ سیرت، تزکیہ نفس اور اخلاق و کردار کی مضبوطی مطلوب ہے، اور دوسری طرف اجتماعی مسائل، کشمیر، پاکستان، برما، سنکیانگ، یمن اور فلسطین کی آزادی اور امریکی مداخلت اور چیرہ دستیوں سے پاک معاشرے اور طاغوت کی فرماں روائی سے آزاد معاشرے کے قیام کے لیے کوشش و کاوش اور جدوجہد بھی ضروری ہے، گویا تزکیہؑ اور جہاد دونوں مطلوب ہیں!!

اس بار رمضان المبارک اس حال میں طلوع ہو رہا ہے کہ پوری اُمت میں بیداری کی لہر پیدا ہو رہی ہے۔ ہزار ہا ہزار فرزندانِ توحید اور شمعِ رسالتؐ کے پروانے اپنے رب کی طرف دیوانہ وار بڑھ رہے ہیں اور طاغوت کی فرماں روائی کو چیلنج کر رہے ہیں۔ قرآن و سنت کی بالادستی کے لیے اور اسلام کو ایک نظامِ حیات کے طور پر نافذ کرانے کے لیے شب و روز کی کوششوں اور مشقتوں میں اپنے پیروں کو غبار آلود کر رہے ہیں۔

رجب سنہ ۲ ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ گویا پچھلی اُمت منصب قیادت و رہنمائی سے ہٹا دی گئی اور اُمت مسلمہ کو اس ذمہ داری پر فائز کر دیا گیا۔ سن ۲ ہجری کے اگلے مہینے، شعبان المعظم میں رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے ۔ گویا قیادت و سیادت کی تربیت اور تزکیہ کا اہتمام اور رہنمائی کے منصب کے لیے صلاحیت و استعداد کو پرورش دینے کا عمل رمضان المبارک سے جوڑ دیا گیا۔ سنہ ۲ ہجری کے اگلے مہینے، رمضان المبارک میں، جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا۔ ہمارے حالات آج بھی سنہ ۲ ہجری کے تین ماہ میں ربانی فیصلوں اور ان کی ترتیب میں اُمت کے لیے کچھ کرنے اور کر گزرنے، بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے اور اُمت کی بگڑی بنانے کی طرف بلا رہے ہیں۔ نہتے اور بے سروسامان غازیوں، مجاہدوں اور صف شکنوں کے قافلے رواں دواں ہیں، پیروں کو غبار آلود کرتے ہوئے، سر سے کفن باندھ کر جان ہتھیلی پر لیے، منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ نشانات منزل عبور کر رہے ہیں۔ رمضان المبارک ان جذبوں کو مہمیز دینے کے لیے طلوع ہو رہا ہے، بھولا ہوا سبق یاد دلانے اور تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر، ماضی سے اپنے رشتے استوار کرنے کے لیے رب کی رضا اور اس کی جنتوں کے حصول کے لیے میری نماز، میری قربانی، جینا اور مرنا رب العالمین کے لیے ہے، اس کا ورد کرتے ہوئے

پوری اُمت میں ایک طرف جہاد کا کلچر فروغ پا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ اور رجوع الی اللہ کی تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی طرف لے جانے کی تدبیر روبہ عمل آرہی ہے۔

لوگ اس شعور سے مزین اور آشنا ہوتے جارہے ہیں کہ اُمت کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے، ۵۷ حکومتیں ہیں، اتنی ہی فوجیں ہیں، ایٹمی صلاحیت کا حامل ملک بھی ہے، مادی وسائل، جغرافیائی اور اسٹریٹیجک اہمیت کے خطے، اُمت کے ہم رکاب ہیں، لیکن اے بسا آرزو، یہ سارے وسائل دشمن کے لیے استعمال ہو رہے ہیں، اسے لاجسٹک سپورٹ فراہم کی جارہی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے باغیوں کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں، انھیں کھل کر کھیلنے کا موقع جابجا دیا جارہا ہے۔ سارے مسلم حکمران، الاماشاء اللہ، امریکا اور مغرب کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں، غیروں کی دی گئی ہر ڈکٹیشن انھیں قبول ہے، طاغوت کی ہر پالیسی پر امنا وصدقنا اور بلاچوں وچرا سر تسلیم خم کر دینا ہمارے حکمرانوں کا شیوہ ہوگیا ہے۔ ایسے میں رمضان المبارک کی ساعتیں بآواز بلند بھی اور بانداز خفی بھی ، فضائے بدر پیدا کرنے ...... کی سرگوشیاں کررہی ہیں!

رمضان المبارک میں اہل علم اور فقہائے کرام پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حالات کا تجزیہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اُمت کی، بالخصوص نوجوانوں کی رہنمائی کریں، ان کی توانائیاں اور قربانیاں ضائع نہ ہونے پائیں، ان کی قوتِ کار کو صحیح رُخ دیں، ان کی تڑپ اور کَسک کو محسوس کریں، اور طاغوت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے والوں اور ان کے آگے بند باندھنے والوں کی علمی وفکری رہنمائی بھی کریں اور عمل کی دنیا میں ترجیحات اور الاھم فالاھم کی ایسی تشریح بھی کریں جو طمانیت قلب کا باعث بن سکے۔ یہ لمحہ تاریخ ماضی قریب اور بعید کے اَن گنت تجربات سے سیکھنے اور اُمت کو اصلاح کی طرف مائل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ رمضان المبارک اس کا وافر سامان بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

قرآن پاک کی رہنمائی، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا، شبِ قدر کی فیصلہ کن اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے جڑی ہوئی یقین سے سرشار، انشراحِ صدر کی دولت، حالتِ روزہ کی پاکیزہ گھڑیاں اُمت کے ایجنڈے پر غور وفکر کے لیے صَرف ہونی چاہئیں۔ بیداری اور رجوع الی اللہ کی لہر کی قدر افزائی اور حوصلہ افزائی کی اجتماعی طور پر ضرورت ہے۔

رمضان المبارک کی رہنمائی ہمہ جہت ہے، ہمہ وقت ہے، ہر لمحے اور تاقیامت ہے۔ غزوۂ بدر بھی اگر محض ایک واقعہ ہوتا تو تاریخ کا حصہ بن چکا ہوتا، ماضی کے جھروکوں میں گم ہوگیا ہوتا، لیکن یہ رہنمائی ہے۔ ایک ابدی پیغام ہے اور قیامت تک کے لیے دیوار پر لکھی تحریر ہے بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ! اس کے پیغام میں تازگی ونمو ہے، سیرابی اور شادابی ہے کہ جب عقیدوں کی جنگ ہو، تہذیبوں کا معرکہ ہو یا اصولوں کی آویزش... اس میں عددی قوت، اسلحہ اور ساز وسامان، آلاتِ

حرب وضرب ثانوی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں، فیصلہ کن حیثیت اور اقدام کی صلاحیت عقیدہ و اصول کی ہو جاتی ہے۔ قیامت تک یہی کلیہ کارفرما رہے گا۔ رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ سمجھ کر ان سے خوف زدہ ہونے والے ایک تاریخ رقم کریں گے اور اژدھوں اور سانپوں کو بے معنی اور پر کاہ کے برابر اہمیت نہ دینے والے بھی۔ تن و توش کروفر اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ایجادات پر غرہ کرنے والے اور ناخداؤں کو خدا بنانے والے بھی موجود رہیں گے اور کئی کئی وقت کے فاقوں سے پیٹ پر پتھر باندھنے والے اور جنت کی خوشبو اور اس کی لپٹوں سے سرشار ہونے والے بھی حق و باطل کے اس معرکے میں اپنی گردنوں پر سر سجائے، گردنیں کٹوانے کے لیے تیار نظر آئیں گے!

اہل علم ہی یہ کام کرسکتے ہیں کہ اُمت کو باور کرائیں کہ ہمارا اصل ہتھیار، ایٹم بم نہیں ہے، گو ہمیں اس کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو۔ انفال ۸:۶۰) ___ مگر ہمارا اصل ہتھیار اپنے رب پر جیتا جاگتا ایمان، قرآن پاک کی رہنمائی اور ہدایت کو سینے سے لگانا اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تک جانے کے تمام راستے، نبی اکرم ﷺ سے ہو کر گزرتے ہیں، آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنانا، آپ ﷺ کی شریعت کے نفاذ کے لیے اٹھنا، اور آپ ﷺ جو جدوجہد اور کشمکش ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں اس کا خوگر بننا، کامیابی کی نوید ہے۔

رمضان المبارک، تذکیر کا عنوان ہے: ”پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ“ کا امید افزا پیغام ہے۔ ہمیں اس پیغام کو نہ صرف رمضان میں بلکہ باقی گیارہ مہینوں میں بھی تازہ رکھنے اور مقدور بھر اُمت کے ایک ایک فرد تک پہنچانے کی ذمہ داری ادا کرنی ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

فہم قرآن:

اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو

مولانا شاہ حسین احمد

اعوذُ باللهِ مِنَ الشَّيطانِ الرَّجيم ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

(سورۃ آل عمران: 102، 103)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور لازمی طور پر موت اسلام کی حالت میں ہی آنی چاہیے۔ اور تم سب اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ ڈالو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے نجات دی۔ اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

تشریح:

اللہ تعالی کی رسی سے کیا مراد ہے اور اسے تھامنے کا مفہوم کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں قرآن کی دوسری آیات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سورۃ الحج کی ایک آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے ساتھ جڑ جانے کا حکم دیا ہے وہاں حَبْل کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس آیت میں ارشاد ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ، یعنی اللہ سے مضبوطی کے ساتھ چمٹ جاؤ! اس کا دامن مضبوطی سے تھام لو! لفظ "عصمت" حفاظت کے معنی میں آتا ہے اور "اعتصام" کا مفہوم اپنی حفاظت کے لیے کسی چیز کے ساتھ چمٹ جانا یا کسی کا دامن تھام لینا ہے۔ یہاں واعتصمو باللہ کے الفاظ سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سے چمٹ جانے کا جو حکم یہاں دیا جا رہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ اللہ سے چمٹ جانے کی عملی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ چونکہ قرآن کریم کی بے شمار آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر دوسری آیات میں موجود ہے، چنانچہ سورۂ آل عمران کی اس

آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی رسّی کے ساتھ چمٹ جاؤ! حبلُ اللہ کو مضبوطی سے تھام لو! اب ''حبل اللہ'' کے مفہوم کی تعین کے لیے ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں' کیونکہ قرآن کی وضاحت و تشریح رسول اللہ ﷺ کے ذمہ تھی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی عظمت و رفعت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: هُوَ حَبْـلُ اللّٰهِ الْمَتِيْن یہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ چنانچہ واعتصــو ا بحبل الله کا مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن حکیم اوراللہ کی شریعت کو مضبوطی سے تھام لو اس سے اپنا مضبوط تعلق استوار کرو۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے شہادت لینے اور اس بات کا حکم دینے کے بعد کہ تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب تک یہ پیغام پہنچادے، جو آخری ارشاد فرمایا وہ یہ ہے :

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ' كِتَابُ اللّٰه۔

''اور یقیناً میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جارہاہوں کہ جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور وہ چیز ہے کتابُ اللہ''

قرآن کریم کی مذکورہ بالا دو آیات میں تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا درس دیا ہے اور اس کے بعد تفرقہ سے منع کیا ہے اور تفرقہ سے مراد اعتصام بحبل اللہ کو چھوڑ دینا ہے مطلب اعتصام بحبل اللہ سے محض اتفاق و وحدت ہی مطلوب نہیں بلکہ اللہ کی شریعت کے ساتھ چمٹے رہنا مقصود ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''۔۔۔کہ تم سب اعتصام (اللہ کی کتاب اور شریعت کے ساتھ چمٹنا) اختیار کرو اور اس میں تفریق نہ کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے کوئی نہ کرے، پس مقصود بالذات اعتصام (شریعت کے ساتھ چمٹنا) ہے نہ کہ اجتماع، اور منہی عنہ ترک اعتصام ہے نہ کہ تفریق۔ پس اگر اعتصام (شریعت کے ساتھ چمٹنے) میں تفرق ہوتا ہو، اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا اور بعض نے نہ کیا تو اس تفریق سے بچنے کیلئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اعتصام کے لیے تفریق کو گوارا کرلیں گے۔'' (بوادرالنوادر)

اس آیت کے متصل آیت میں اللہ پاک ایک اور حکم صادر فرماتے ہیں اور یہی وہ حکم ہے،یہی وہ محور ہے جس کے عمل پر اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے اعتصام بحبل اللہ کا فریضہ ہم سے ترک ہو گیا امت مسلمہ کا نا قابل تلافی نقصان ہوا، اور امت تفرقہ کا شکار ہو گئی اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئك ھم المفلحون ،ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات واولئك لھم عذاب عظیم

یہ ہے وہ اصل سبب کہ آج ہمارے اندر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فقدان ہے، اتفاق واتحاد اس 'حبل اللہ' پر مطلوب تھا یہ فرض تھا لیکن ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہم سے بحیثیت امت اس میں کوتاہی ہوئی۔ ایسا نہیں کہ اب تک کے عرصہ میں کسی نے بھی اس ذمہ داری کو ادا نہیں کیا، نہیں! بلکہ امت میں ایسے اصحاب خیر موجود تھے جو اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوشش کرتے رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس سطح اور جس انداز میں اس وقت شرعاً مطلوب ہے اس میں ہم سے واضح کوتاہی ہوئی ہے اور اسی کا سبب ہے کہ آج امت بحیثیت امت ذلت و مسکنت کا شکار ہے۔

ان آیات کا واضح سبق یہ ہے کہ اہل اسلام کی نجات بھی انہی دونوں اصولوں اعتصام بحبل اللہ اور دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ہے اور اتحاد بھی انہی پر قائم ہو سکتا اور رہ سکتا ہے۔ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف ہو گا تو پھوٹ پڑ جائے گی امت فرقوں میں بٹ جائے گی۔ چنانچہ فرقہ بندی کی اگر تاریخ دیکھی جائے تو یہی چیز نمایاں نظر آئے گی۔

فہم حدیث:

اسلام کی اجنبیت کا زمانہ

مولانا شاہ حسین احمد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَرضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " بَدَأَ الإِسْلاَمُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ " .(مسلم: 145)

ترجمہ: "حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی ابتدا اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور عنقریب پھر اسی حالت میں لوٹ جائے گا جس میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ تو بشارت ہے "غرباء" (ان اجنبی لوگوں) کے لیے۔"

تشریح: عربی میں غریب کا لفظ "اجنبی" کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے ایک شخص اپنے اہل و عیال اور وطن کو چھوڑ کر دور کسی علاقے میں چلا جائے تو وہ دوسروں کے لیے اجنبی ہو گا۔ کوئی اسے سمجھنے والا پہچاننے والا نہیں ہو گا۔

اسی طرح اسلام بھی ابتدا میں اجنبی تھا۔ یعنی مسلمان بہت کم تھے۔ لوگ اسلام کی حقانیت کو نہیں پہچانتے تھے۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا۔ اس کی حقیقت کو پہچاننے والے بہت کم ہوں گے کفار، ملحدین اور مبتدعین کی کثرت ہو گی۔ نام کے مسلمان اگرچہ تعداد میں زیادہ ہوں گے لیکن سچے حق پرست اور متقی افراد کم سے کم ہوتے چلے جائیں گے اور یہ لوگ دوسروں میں یہ اجنبی لگیں گے۔ جیسے اجنبی شخص لوگوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کی حالت بھی ہو گی۔ لیکن چونکہ انہوں ے یہ حالت دین اور حق کے لیے قبول کر رکھی ہو گی تو اِن قلیل اجنبیوں کے لیے جنت کی بشارت اور مبارک باد سنائی گئی ہے۔ مسند احمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے "غرباء" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

أُنَاسٌ صَالِحُوْنَ فِيْ أُنَاسِ سُوئٍ كَثِيرٍ مَنْ يَعْصِيْهِمْ اَكْثَرُ مِمَّنْ يُطِيْعُهُم (مسند احمد: 230 /11)

برے لوگوں کے درمیان یہ چند نیک لوگ ہوں گے۔ ان کے فرمانبرداری کرنے والوں کے مقابلے میں ان کے نافرمان زیادہ ہوں گے۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ روئے زمین پر اسلام کہیں فی الواقع قائم نظر نہیں آئے گا۔ انسانوں کے کردار اور ان کی شخصیتوں میں حقیقی اسلام دیکھنے کے لیے نگاہیں ترسیں گی۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو ہدایت کے صحیح رخ پر گامزن ہوں گے۔ اور ایسے لوگ زمانے کی نظروں میں اجنبی ہوں گے۔ اور جب اجنبی ہوں گے تو ان کی بات کو وہ حیثیت نہیں دی جائے گی، جس کی وہ مستحق ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صورتِ حال عملاً پیدا ہو چکی ہے جس کی خبر اِن احادیث میں دی گئی ہے۔ اس صورت حال میں ہم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ اگر وہ مسلمان ہے تو کیا اس کا مقصودِ حیات اور نصب العین بھی وہی ہے یا نہیں جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا مقصدِ بعثت تھا؟ یعنی اعلاءِ کلمۃ اللہ اور تمام ادیان پر دین حق کو غالب کرنا۔

اگر ہماری سوچ و فکر اس مقصد کے گرد نہیں گھومتی ہم اس بارے میں کسی درجے میں بھی جد وجہد نہیں کر پاتے تو ہمارے لیے یہ خطرے کی علامت ہے۔ محمد ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ انسانیت آج بھی ہدایتِ ربانی کی محتاج ہے۔ دنیا آج بھی طاغوتی شکنجے میں گرفتار ہے۔ بظاہر ترقی کا نعرہ لگانے والی دنیا وحی کے علم سے بہت دور ایک بار پھر جاہلیت کی طرف آچکی ہے۔ آج بھی ہر اُس شخص پر جو خود کو مسلمان سمجھتا ہے' یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسی طرح لوگوں تک حق کا پیغام پہنچائے جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام نے پہنچایا۔ دنیا کی باتوں کی پرواہ کیے بغیر، دنیا اجنبی سمجھتی ہے تو سمجھے حقیقت میں اس دور میں بھی خوش خبری انہی لوگوں کے لیے ہے جو دنیا کی نگاہوں میں اجنبی ہیں۔ دنیا جنہیں جاہل اور پسماندہ سمجھتی ہے، لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود وہ حق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور انہوں نے بعثت نبوی ﷺ کے مقصد کو نہیں بھلایا۔ اللہ کے دین کو غالب اور قائم کرنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا۔ جو کہ قرآن کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (الفتح: 28)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سب ادیان پر غالب کر دے"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس آیت کے کامل ظہور کا وقت ابھی باقی ہے۔ اس آیت کا کامل ظہور اس وقت ہو گا جب پوری دنیا پر دین اسلام غالب آجائے گا اور تمام ادیان مغلوب ہو جائیں گے۔

اس لیے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم نے اپنے آپ کو مکمل طور پر دین کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے یا نہیں؟ کیا ہماری دین کے ساتھ ایسی وابستگی ہو چکی ہے کہ جس کے بعد ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ہمیں اوپرا اور اجنبی سمجھتی ہے۔ اور ہم رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے دی جانی والی اس خوش خبری پر راضی ہیں۔

تزکیۂ نفس:

قسط:۲

تزکیہ اور فنائے نفس

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حصولِ ولایت کا طریقہ:

یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ہم سے کیا چاہتے ہیں، اگر آپ کے ضمیر، آپ کے قلب سے یہ آواز آجائے کہ اس عورت کو دیکھنے سے میرا اللہ ناراض ہو جائے گا، تو اب آپ اپنے اس مثبت تار یعنی نماز، روزہ اور ذکر وغیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کا منفی تار بھی لگا دیں یعنی گناہ کے اس تقاضے پر عمل نہ کریں، بس دل کا بلب روشن ہو جائے گا۔ کنز العمال میں حدیث قدسی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّظَرَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِي اَبْدَلْتُهٗ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ[1]

جس نے میرے خوف سے نظر کو بچایا میں اس کو ایسا ایمان دوں گا کہ وہ اپنے دل میں اس ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرلے گا۔ سبحان اللہ! جس حلاوت کو ساری دنیا کے شکر کا خالق جو گنوں میں رس پیدا کرنے والا ہے، ساری دنیا کی شکر پیدا کرنے والا ہے، وہ مٹھاس اپنے دستِ پاک سے دے گا اس کو سوچ لو۔ ساری دنیا کی مٹھائی والے اپنی دوکانوں سے آپ کو رس ملائی اور رس گلّے دیں اور ایک مٹھائی اللہ تعالیٰ اپنے دستِ کرم سے عطا کرے تو بتاؤ اس مٹھاس کا کیا عالم ہو گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ایمان کی مٹھاس پانے کے لیے تم کو کسی دوکان پر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مٹھاس ہم خود دیں گے **اَبْدَلْتُهٗ اِيْمَانًا** ہم ان کو ایسا یقین اور اپنی محبت کی ایسی مٹھاس دیتے ہیں کہ ان کا دل ہی اس کو جانتا ہے، ان کا دل اس کو پالیتا ہے، یَجِدُ کے معنیٰ ہیں پانے والا، یعنی وہ اپنے دل میں حلاوتِ ایمانی پالیتا ہے۔

اگر یہ تصورات اور وہمیات کی دنیا ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس انداز سے بیان نہ فرماتے کہ یَجِدُ وہ اپنے قلب میں پالیں گے، معلوم ہوا کہ یہ خالی وہمیات کی دنیا نہیں ہے، یہ شبنم چٹا کر تسلی دینا نہیں ہے، دریا پلا کر تسلی دی جا رہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ اوس چٹا دیا، لیکن اللہ نے اوس چھڑا کر دریا عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے مٹی کے گالوں سے مٹی کے کھلونوں سے آپ کو بچالیا اور اپنے قرب کر دریا عطا کر دیا۔

---

[1] کنز العمال: ۵/ ۳۲۸، (۱۳۰۶۸)، الفرع فی مقدمات الزنا والخلوۃ بالاجنبیۃ مؤسسۃ الرسالۃ / المستدرک للحاکم: ۴/ ۳۴۹ (۷۸۷۵)

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے

اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا رہتا ہے

بادشاہ بھی اپنی بادشاہت کے بوجھ سے دردِ سر میں مبتلا ہیں، سکون و اطمینان انہیں بھی حاصل نہیں ہے، صرف اللہ والے ہیں جو ہر وقت سکون سے رہتے ہیں۔

گناہوں کا عذاب اور نجات کا طریقہ:

آج ساری دنیا سینما اور وی سی آر (آجکل انٹرنیٹ) کی بلا میں مبتلا ہے۔ایک نوجون نے اسی ہفتے مجھے بتایا کہ میں نمازی ہوں، سید ہوں، آلِ رسول ہوں، بیس سال کی عمر ہے، نہایت اعلیٰ درجہ میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتا ہوں لیکن کچھ نالائق لڑکوں نے پٹی پڑھا کر وی سی آر پر گندی فلم دکھا دی۔ اس دن سے اس کی نماز چھوٹ گئی، روزانہ غسل کی ضرورت پیش آنے لگی، گال پچک گئے، کنپٹیاں بیٹھ گئیں، چکر آرہے ہیں، چہرہ پیلا پڑ گیا اور ذکر تلاوت میں بھی دل نہیں لگ رہا ہے۔

دوستو! یہ بتاؤ کہ امّاں ابّا کسی کام سے منع کر دیں تو اس میں ان کی دشمنی ہو گی یا مہربانی ہو گی؟ بولو بھئی! ابا اپنی اولاد کو دُکھ دینا چاہتے ہیں ؟ ربّا نے بھی نظر بچانے کو جو حکم نازل کیا ہے کہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[2] ایمان والو! نظر کو نیچی رکھو، ان حسینوں پر مت ڈالو۔ نظر بچانے کا حکم عطا کر کے ربّا نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے، ورنہ گال پچک جائیں گے جیسے چُسا ہوا آم ہوتا ہے۔ تو اس نوجوان نے کہا کہ میری صحت خراب ہو گئی، نماز بھی چھوٹ گئی، پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا، اتنا پریشان ہوں کہ راتوں کی نیند حرام ہے، آپ کچھ علاج بتائیں۔

میں نے علاج بتا دیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کرو اور اُن نالائق لڑکوں کی صورت بھی نہ دیکھو جو تمہیں گناہوں میں مبتلا کریں اور روزانہ موت کا مراقبہ کرو، دوزخ کا مراقبہ کرو، سمجھ لو کہ میں مر گیا ہوں، قبر میں گل سڑ گیا ہوں، یہ آنکھیں جن سے وسی سی آر دیکھتے تھے ان کو کیڑے لے کر قبر میں چکر لگا رہے ہیں اور جن کو فلم میں گندی حالت میں دیکھا ہے یہ سب قبروں میں بالکل سڑے، گلے، بدبودار حالت میں ہیں، جن شکلوں کو دیکھ کر ہم پاگل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے ہیں، جب یہ قبروں میں جائیں گے اس وقت تم سے دیکھا نہیں جائے گا، اتنی سڑی ہوئی بدبو آئے گی کہ سونگھا بھی نہیں جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جنہوں نے ہمیں اس مصیبت سے چھڑا دیا۔

---

[2] النور: ۳۰

روزہ اور اس کے روحانی ثمرات

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ

روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفس کو اس حد تک قابو کیا جائے کہ خواہشات کی تکمیل سے رُکنے کی تربیت پائے اور یہ کہ لذت کی وہ بہت سی صورتیں جو اس کے منہ کو لگ چکی ہوں، ایک اعلیٰ مقصد کی لگن میں اس سے چھڑوا دی جائیں۔ اس کے حیوانی قویٰ کو قابو میں لایا جائے اور اس کی شہوانی توانائی کو اعتدال سکھایا جائے۔ نفس کی چاہت کو مادی مطالب سے پھیر کر ایک اعلیٰ و پاکیزہ رُخ دیا جائے۔ اس میں وہ سلیقہ پیدا کیا جائے کہ یہ کسی اور جہان کی جستجو کر سکے جہاں لطف کی کوئی انتہا نہیں اور جہاں نعمتوں اور آسائشوں کا کوئی اندازہ نہیں اور جہاں عیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تاکہ یہ ان خوبیوں سے آراستہ ہو سکے جو دائمی زندگی پانے کا ایک مناسب ترین مقدمہ بن سکیں۔

روزے سے مقصود یہ ہے کہ نہ تو دنیا کی بھوک پیاس کی اس نفس میں کچھ خاص وقعت رہے اور نہ یہاں کا کھانا پینا ہی کچھ اس کا منتہائے سعی رہے۔ تاکہ یہ احساس کی وہ صلاحیت بھی پالے جس کی بدولت اس کو اندازہ رہنے لگے کہ ایک بھوکے مفلس کے کلیجے پہ کیا گزرتی ہے اور مسکین کے دل کی کیا حالت ہوا کرتی ہے۔

روزہ سے مقصود یہ ہے کہ جسم میں شیطان کی بھاگ دوڑ کے لیے راستے تنگ کر دیے جائیں اور کھانے پینے کی راہ سے شیطان کو یہاں جو گزر گاہیں میسر آتی ہیں وہاں اس کا گزر دشوار کر دیا جائے۔ قوائے جسم کی آزادی ذرا محدود کر کے، اور بدن کا جوش ذرا کم کر کے، روح کو معبود کے راستے میں تحریک دی جائے۔

پس یہ متقیوں کے لیے ایک زور آور مہار ہے اور مجاہدوں کے لیے ایک زبردست ڈھال ہے۔ یہ نیکوکاروں کی ریاضت ہے اور خدا کا قرب پانے والوں کے لیے محنت کا ایک بڑا میدان!

اور دیکھو سارے اعمال میں اس کو 'اللہ کی خاطر' ہونے کی ایک خاص نسبت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روزہ دار کچھ بھی نہیں کرتا بس اپنی خواہش اور اپنی شہوت کو اور اپنے کھانے اور پینے کو معبود کی خاطر چھوڑ لیتا ہے۔ پس یہ محبوباتِ نفس کو خدا کی محبت میں بھلا دینا ہے اور نفس کی لذتوں کو خدا کی خوشنودی پر وار دینا۔ گویا یہ نفس کا ایک محبوب سے پھیر کر ایک دوسرے محبوب کو اختیار کر لینا ہے۔ پس یہ روزہ محبوب کا ایک شعوری اور ہمہ وقتی تعین ہے۔ بندے اور خدا کے مابین ایک 'سِر' ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جو بندے کو معلوم ہے یا پھر اللہ کو! لوگ زیادہ سے زیادہ دیکھ سکتے ہیں تو یہ کہ یہ بندہ اپنا کھانا پینا اور دیگر

مفطرات کو چھوڑ کر بیٹھا ہے۔ مگر دل کی وہ حالت جو اس سے اس کا یہ کھانا پینا اور اس کی شہوت وخواہش چھڑوائے بیٹھی ہے اور معبود کی طلب میں جائز خواہشِ نفس کو قربان کروا رہی ہے، صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اس کی کوئی اور کیونکر خبر پا سکتا ہے۔ روزہ کی اصل حقیقت سمجھو بس یہی ہے!

انسان کے ظاہر وباطن کو بدل کر رکھ دینے میں روزے کی عجیب تاثیر دیکھی گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ جسم کے فاسد مادے اس ریاضت سے دُھل جاتے ہیں بلکہ روح کے ناگوار جوانب بھی اس عبادت سے خوب صاف ہوتے ہیں۔ قلب اور جوارح کے صحت پانے میں روزہ کی تاثیر دیدنی ہے۔ نفس کے وہ حصے جو خواہشات وشہوات کے زیر آب آچکے ہوتے ہیں، وہ اس عمل کے نتیجے میں بخوبی واگزار کرا لیے جاتے ہیں اور بندگی کو اس سرزمین پر پیر جما کر چلنے میں خوب مدد ملتی ہے۔ دل میں تقویٰ کی راہ ہموار کرنے میں 'روزہ' کو عبادات کے مابین ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ [البقرة: 183]

«مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو»

اور نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"الصوم جنة" "روزہ ڈھال ہے"۔

علاوہ ازیں جنسی خواہش کو قابو میں لانے کے لیے آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نے روزہ تجویز فرمایا۔ غرض عقل اور فطرت کو نفس کی اصلاح میں روزہ کی اس غیر معمولی تاثیر کا جو مشاہدہ کرنے کا ملتا ہے اس کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اس عبادت کو انسانوں کے لیے مشروع ٹھہرا دیا۔ پس یہ اس کی رحمت ہے اور ان پر اس کا ایک احسان اور برائی سے ان کا ایک زبردست تحفظ۔

'روزہ' پس یہ ہوا کہ وہ حلال لذتیں بھی جو نفس کے منہ کو لگ چکی ہوں اور وہ جائز آسائشیں بھی جن کا یہ نفس عادی ہو چکا ہو، اس سے دور کر دی جائیں اور کچھ عرصہ اس پر یہ حالت گزرے اور اس کیفیت میں اس کو خدا کی جانب متوجہ کرایا جائے تاکہ یہ بندگی کے کچھ خاص پاکیزہ معانی ازبر کرے اور پورا ایک ماہ یہ اسی حالت میں صبح سے شام کر دیا کرے۔

منہ کو لگ چکی یہ لذتیں اور آسائشیں چھڑا دینا چونکہ آسان کام نہ تھا لہٰذا اس کی فرضیت نازل ہونے سے خاصی دیر تک رکی رہی۔ یہ فرض ہجرت کے بھی کچھ دیر بعد نازل ہوا۔ نفوس کے اندر جب توحید گہری اُتر چکی اور پھر 'نماز' نے ان موحد نفوس کی ایک بندگانہ صورت دے دی اور قرآن سے حکم لینے پر کچھ تربیت پالی تب بتدریج ان کو بندگی کی اس صورت کی جانب لایا گیا۔

واقعہ بدر

فخر الاسلام فخری

اسلام ایک واضح اور مکمل دین ہے اور اس کی وضاحت اور کامل ہونے کی بنیاد اللہ کا سچا کلام اور نبی پاک ﷺ کے فرامین ہیں، لہٰذا اسلام کی وہ تعبیر جو خود اسلام نے پیش کی ہے وہی اسلام کے پیروکاروں کے لئے کافی شافی ہے ، آج دین دشمنوں کو یہی تکلیف ہے کہ ڈیڑھ صدی بیت جانے کے بعد اپنی تمام تر کوشش و سعی کے بعد بھی اس دین اسلام میں تحریف کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ،ان کی لاحاصل سعی میں ایک سعی یہ ہے کہ کسی طرح عام اور سادہ مسلمانوں کو یہ سمجھائیں کہ کفار و کفر میں فرق ہے یعنی کفر سے نفرت و برأت ہو لیکن کفار سے نفرت و برأت نہ ہو کیونکہ کفار بھی انسان ہیں ان کے بھی حقوق ہیں لہٰذا ان کی حق تلفی نہیں ہونی چاہیئے ،اس پروپیگنڈے سے دین دشمن جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ تو بالکل واضح ہے کسی سے پوشیدہ بھی نہیں ہے۔ اسلام میں اس کافر کے لئے تو کسی بھی قسم کی کوئی رعایت نہیں جو مسلمان کو معمولی تکلیف بھی پہونچائے جبکہ آج یہی کافر مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں ، قید کر رہے ہیں ،ماؤں اور بہنوں کی عزتوں کو تار تار کر رہے ہیں اور اسلامی شعائر کو پامال کر رہے ہیں پھر بھی کہا جاتا ہے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ جو بھی کفار سے نرمی کا درس دے، چاہے وہ جبہ و دستار کا حامل ہی کیوں نہ ہو ، اللہ کا دشمن ہے ، اللہ کے دین کا دشمن ہے ، اللہ کے نبی کا دشمن ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے طرز زندگی سے یہ بخوبی واضح کر دیا کہ ہر وہ کافر جو اسلام اور اس کے ماننے والوں سے بغض و عداوت رکھے گا،ان کے خلاف اقدام کرے گا، کسی بھی قسم کی سرگرمی میں ملوث ہو گا اس کا قلع قمع کیا جائے گا نہ اس کا مال محفوظ رہے گا نہ جان محفوظ رہے گی۔

اسلام کی سب سے بنیادی اور اہم جنگ کی بنیاد یہی تھی مسلمانوں کے قاتل ٹولے کا مال چھین لیا جائے اور ان کے جوڑ جوڑ کو کاٹ کر قتل کیا جائے اور اس عظیم کام کو سرانجام دینے لے لئے بذات خود نبی پاک ﷺ بدر کے میدان تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل دور بدر نامی ایک گاؤں تھا یہ معرکہ کفار و مسلمانوں کے مابین لڑا جانے والا سب سے بڑا معرکہ ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت و شوکت اور کفار کی ذلت و رسوائی کا

منبع بھی یہی معرکہ ہے،یہی وہ مبارک دن ہے جس کو اللہ تبارک تعالی نے اپنے سچے کلام میں یوم الفرقان کا نام دیا یعنی حق و باطل کے مابین امتیاز و فرق کا دن ہے۔

۲ھ ماہ رمضان کے آغاز میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبر پہونچتی ہے کہ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو'ابھی تک قافلہ عشاق کے راہی نہیں بنے تھے' قافلہ تجارت کے ہمراہ مال و دولت سے لدے پھندے مکہ واپس لوٹ رہے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب کے مبارک مجمع میں اس کی خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ قریش کا کاروان تجارت ہے جو مال و اسباب سے بھرا ہوا ہے، تم اس کی طرف خروج کرو، کوئی بعید نہیں کہ اللہ تبارک تعالی تم کو وہ قافلہ غنیمت میں عطا فرمادے۔ کسی بھی قسم کی جنگی سلاح و وسائل کے بغیر محض توکل علی اللہ کی بنیاد پر انصار و مہاجرین کی یہ چھوٹی سی جماعت اپنے سچے نبی ﷺ کے ساتھ قافلہ تجارت کو لوٹنے کی غرض سے نکل پڑتی ہے۔

رمضان المبارک کی ۱۲ تاریخ ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قافلہ جہاد روانہ ہوتا ہے، بے سر و سامانی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پورے قافلہ میں صرف دو گھوڑے ہیں جو سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہم کے ہیں اور ستر اونٹ ہیں جبکہ دوسری طرف ابو جہل کی سرکردگی میں ایک ہزار افراد پہ مشتمل جنگی ساز و سامان سے لیس اور گانے بجانے والیوں کا لشکر جرار پورے کروفر کے ساتھ روانہ ہوتا ہے، اس میں سوائے ابو لہب کے تمام سرداران قریش شامل ہوتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ کے جان نثاروں میں سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا مقداد اور سیدنا سعد بن معاذ اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر اس کافر کو قتل کرنے میں اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ ہیں جو اللہ کے پیروکاروں کا دشمن ہے اللہ کے نبی ﷺ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کے نام پہ چلو اور تم کو بشارت ہو اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابو جہل یا ابو سفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پہ تمہیں ضرور فتح دوں گا۔ مجھے کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلادی گئیں ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

بالآخر ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ کی مبارک فجر طلوع ہوتے ہی آپ علیہ السلام "الصلاة عباد الله" کی صدا لگاتے ہیں، صدا کا سننا تھا کہ سب جان نثار جمع ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت سے فارغ ہو کر آپ قتل کرنے اور قتل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اصحاب کے صفوں کو درست فرماتے ہیں بس جنگ کا آغاز ہوتا ہے سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ عتبہ

کے ،سیدنا حمزہؓ شیبہ کے اور سیدنا علیؓ ولید کے مقابل آتے ہیں، سیدنا علی اور سیدنا حمزہ ایک ایک وار میں اپنے مقابل کو پچھاڑ دیتے ہیں البتہ سیدنا عبیدہ خود بھی زخمی ہوتے ہیں اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کرتے ہیں، پھر سیدنا حمزہ و سیدنا علی عتبہ کا بھی کام تمام کرتے ہیں۔ اب میدان کارزار گرم ہوتا ہے، آپ علیہ السلام صف برابر کرتے ہیں، پھر اللہ کے حضور گریہ زاری میں مصروف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کی مدد زرد رنگ والے عمامہ باندھے ہوئے فرشتوں کی شکل میں زمین پہ نازل ہوتی ہے اور کفار کی گردن مارتی ہے اور جوڑ جوڑ ،پور پور کاٹتے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے کفار کے چہروں کی طرف مٹھی بھر خاک پھینکتے ہیں، خاک کے پھینکتے ہی دشمن کی صف منتشر ہو جاتی ہے ان کے رؤساء قتل و گرفتار ہونا شروع ہو جاتے ہی اور جنگ اپنے اختتام کو پہونچتی ہے ۔ قریش کے ستر آدمی گرفتار اور ستر آدمی قتل ہوتے ہیں۔ ہر صحابی اپنے مقابل اپنے قریبی کی گردن اپنے ہاتھ سے اتارتا ہے اور آج کے مسلمان کے اس شبہ کو دور کرتا ہے کہ جنگ اپنوں سے نہیں غیروں سے لڑی جاتی ہے۔

یہی طرز نبوی ﷺ ہے اور یہی قابلِ اتباع ہے اس سے انحراف سوائے ذلت کے اور کچھ بھی نہیں، تمام عالم اسلام کی ذلت کا سبب اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جس طرح کفار کو قتل کیا ہم بھی قتل کریں، اس ہی میں ہر ایک مسلمان کی نجات ہے اور اس ہی میں بقاء ہے۔ اللہ ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین۔



قائدین جہاد:

قسط:۱

تاریخِ ایمان کا ایک اہم سبق

از: شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ

اُردو ترجمہ: شرح حدیث خباب بن ارتؓ

الحمد للہ رب العٰلمین۔والصلاۃ و السلام علی النبی الامین۔ و علی اٰلہ
و اصحابہ اجمعین۔ امابعد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''کہ ہر آفت و مصیبت کی ایک انتہاء ہوتی ہے، جب بھی کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ایک نا ایک دن (وقت آنے پر)ضرور ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ عقل مند انسان کو چاہیے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو پامردی و تحمل کے ساتھ اسے برداشت کرے، اس پر صبر کرے جب تک کہ اس مصیبت کے ختم ہونے کا وقت جو اللہ کے ہاں مقرر ہے نہیں آجاتا، کیونکہ یہ مصیبت اس وقت سے قبل ٹل تو نہیں سکتی لہذا اگر یہ اس پر یوں ہی واویلا شروع کر دے تو اپنے لیے پریشانی اور تنگی میں اضافے کا سبب یہ خود بن رہا ہے۔''

عظیم الشان نبوی دعوت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، ۱۳ سال تک ایک ہی جگہ پر انتہائی نامساعد حالات میں تھوڑی بہت ظاہری کامیابی کے ساتھ مکہ ہی تک منحصر رہی، اس عرصے میں چند ہی لوگ ایمان لائے، اور پھر یہ مؤمنین بھی کچھ ہی عرصے بعد اپنے معاشرے سے کٹ کر ایک ایسی جگہ (حبشہ) کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں کہ جہاں صرف دشمن سے اپنی جان کی حفاظت کے سوا بظاہر اور کوئی نفع نہیں! اور جو تھوڑے بہت لوگ ایمان لائے وہ بھی بعثتِ نبوت کے بالکل ابتدائی سالوں ہی میں مسلمان ہوئے، بعد کے سالوں میں کوئی اِکا دُکا ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اگر آپ اس عرصے کا بغور مطالعہ کریں کہ جس میں تھوڑی سی ظاہری کامیابی کے سوا کچھ نہیں! تو آپ کو احساس ہو گا کہ دراصل دعوتوں، تحریکوں کی اصل عمر یہی ہوتی ہے، کہ جس میں کسی علاقے پر قبضہ اور کسی طرح کی فتح نہیں ہوتی بلکہ وہ محض اپنا دفاع ہی کر پاتی ہیں!

اور پھر مکی دعوت کا عرصہ اس مدنی عرصہ سے زیادہ ہے جس میں فتح ہے، نصرت ہے، دین کی دعوت کا چہار سو پھیلاؤ، اور لوگوں کا فوج در فوج اسلام کے حلقہ بگوش ہونا ہے! ایسا کیوں؟ اور اس میں ایسی کون سی ربّانی حکمت پوشیدہ ہے؟ تو سنیے! جواب حاضر ہے! جواب دینے والے کہتے ہیں کہ مکی دَور در حقیقت تربیت کا دَور ہے! یہ بالکل بجا ہے لیکن تربیت کی تشریح و وضاحت ہر کسی نے اپنے ذوق اور پسند کے مطابق مختلف کی ہے، جبکہ در حقیقت اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب ہے، اور وہ ہے آزمائشوں پر صبر کی تربیت! اور تنگی کے بعد آسانی کے ربّانی وعدے کے پورا ہونے کا انتظار!

یہ مکی دور پے در پے مشکلات کا زمانہ ہے، روز بہ روز آزمائشیں بڑھتی ہی جاتی ہیں! جب کہ ان سے مقابلے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ صبر !!

مکہ میں مصائب جھیلنے والوں کا حال بالکل اس قیدی کی طرح تھا کہ جس پر جیل میں روز بہ روز تشدد اور دباؤ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہو، لیکن اس کا یقین ہے کہ ایک دن ضرور یہ آزمائش اپنی انتہاء کو پہنچے گی، جیل کے دروازے اس پر کھل جائیں گے اور وہ ایک ایسی دنیا دیکھے گا جو اس جیل کی دنیا سے یکسر مختلف ہو گی، وہ اس جیل اور جیلر کے سلوک کا مقابلہ صرف صبر و ثبات اور آسانی و فراخی کے وعدے کے پورا ہونے کے بھرپور یقین سے کرتا ہے،

قیدی کے حق میں دشمن کے جبر و تشدد اور ظلم کے تحت ایمانی اقدار پر قائم رہتے ہوئے صبر کی آزمائش کو جھیلنا اس کی تربیت کا لازمی حصہ ہے۔ یہ تربیت ہی اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ جیل سے رہائی پانے کے بعد اپنے دشمن سے مقابلہ کر سکے۔ سختی و تنگی کا یہ زمانہ ملکوں اور تہذیبوں کے اکثر بانیوں پر گذرا ہے۔ یہ زمانہ آپ کے اور آپ کے دشمن کے درمیان جنگ کے حقیقی سبب و صورت حال کو واضح کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اسی سے آپ کے اور آپ کے دشمن کے دین میں فرق واضح ہوتا ہے۔ سختی اور تنگی کا یہ زمانہ گذارنے کے بعد آپ اپنے دشمن کے خلاف جو اقدام اٹھائیں گے وہ تاریخ ساز، واضح اور بیّن ہو گا۔

۱۳ سال تک قریش نے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ اپنا رویہ انتہائی تند و تیز رکھا، کیونکہ اس دعوت کو روکنے کے لیے ان کے پاس ہر طرح کے مواقع تھے، جب کہ اہل اسلام کے پاس قریش کے اس تعامل کا صرف ایک ہی حل تھا 'صبر اور ثابت قدمی'، جو انہوں نے آسمانی ہدایت (قرآن پاک) سے سابقہ انبیاء کے واقعات کو پڑھ کر سیکھا تھا، اور اہل اسلام کو بھی بعینہ ان ہی حالات و واقعات کا سامنا تھا۔

پس ایک طرف تو یہ ابتلاء و آزمائشوں کو سہنے کی تربیت ہے کہ 'جس کے نتیجے میں' اللہ کے وعدوں کی تکمیل کا مکمل یقین حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب ان سخت مراحل سے گذر کر ہی ایک مؤمن کے سامنے اپنے دشمن کی حقیقی صورت واضح ہو جاتی ہے، اور اس بات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ کفر 'اس دعوت کی کامیابی کے ربّانی وعدے' کو پورا ہونے سے روکنے کے لیے اپنی پوری قوت و جبروت کے ساتھ اس کے مقابلے کو تیار ہے۔

کسی بھی کام کے لیے انسان کو ذہنی و جسمانی طور پر آمادہ (تیار) ہونے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے، شاید اسی وجہ سے دوسری مخلوقات کی نسبت انسان کی پیدائش سے لے کر اس کے چلنے تک کا وقفہ نسبتاً طویل ہے، کیونکہ دیگر مخلوقات میں سے اکثر پیدا ہوتے ہی چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن افکار و اعتقادات کے معاملے میں انسان اس قاعدے سے مستثنٰی ہے، کیونکہ ایمان جیسے ہی دل میں آتا ہے آتے ساتھ ہی دل میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے، اس کو دل میں راسخ کرنے کے لیے زمانے درکار نہیں ہوتے، جیسا کہ اس دور کے بعض مرشدوں، مربیوں کا خیال ہے۔ دیکھیے کے فرعون کے جادوگروں نے آن کی آن میں کفر سے ایمان اور پھر ایمان کی گواہی

تک کا مرحلہ طے کر لیا!۔ تاریخ میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں! لیکن (صریح) ایمان اور (صریح) کفر کے درمیان کی جو حالت ہے اسے واضح کرنے کے لیے مختلف حوادث و واقعات سے اور ایک طویل مدت سے گذرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ بیچ کی صورت ختم ہو کر کوئی ایک جانب واضح ہو جائے۔ اسی طرح دعوتوں اور تحریکوں کا لمبے وقت کی بھٹی سے گذرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ دو متحارب گروہوں کے درمیان جنگ یا صلح میں سے کسی ایک کا حتمی تعین کیا جا سکے۔ پس اگر تو یہ مقصد مختلف حادثات اور وقت کی بھٹی سے گذرنے کے بعد حاصل ہو جائے تو یہ آنے والے مستقبل کے لیے مشعلِ راہ اور گراں قدر سرمایے کی حثیت رکھتا ہے، جسے بعد میں آنے والوں کی خواہشات اور محض زبانی کلامی دعووں سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر آپ قرآن پاک اٹھائیں اس میں موجود مکی دور سے متعلق آیات کا مطالعہ کریں تو یہ چیز آپ کو بہت واضح نظر آئے گی، یعنی کفارِ قریش کی اہلِ ایمان سے دشمنی و عداوت کی صحیح تصویر! آپ جان جائیں گے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جس سے دوستی و مودت کا کوئی بھی تعلق رکھنا روا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِي ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓاْ إِلَيْهِمْ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِي ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُواْ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ [الممتحنة: 98]

«جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے خدا ان ہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں»

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَا تُقَٰتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓاْ أَيْمَٰنَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ ٱلرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ [التوبة: 13]

«بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر (خدا) کے جلا وطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنے کے لائق خدا ہے بشرطیکہ ایمان رکھتے ہو»

پس یہ کئی سالوں پر محیط عرصہ صرف اس لیے مختصر لگتا ہے کہ مستقبل میں فتح و نصرت کے بعد جو ظاہری عمارت بننے والی ہے یہ اس کے لیے تربیت کا سامان ہے۔ کیونکہ یہی اس عمارت کی وہ حقیقی بنیادیں ہیں جو زمین کے اندر تک گڑی ہوئی ہیں۔

اس مرحلے کی اہمیت جاننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ لازمی نہیں کہ ہر دعوت یا تحریک کی ابتداء ہی میں اسے ان مشکلات سے پالا پڑے۔ بلکہ کبھی شروع میں، کبھی درمیان میں ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، غرض جس وقت صلاحیت سازی کی ضرورت پیش آتی ہے تب ہی ان حالات سے گذارا جاتا ہے۔

یہ مرحلہ ہے کیا؟ بظاہر اس میں سوائے انتظار و سکون کے اور کچھ نہیں ہوتا! اسی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لیے یہ وقت انتہائی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ پریشانی میں گھلے جاتے ہیں، اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور دھاڑیں مارتے پھرتے ہیں کہ بس! معاملہ ختم! سب کام ٹھپ ہو گیا! تاریخ کا دروازہ ہم پر بند ہو گیا! جہاں سے چلے تھے قافلے واپس وہیں کے وہیں آن پہنچے!

اس ساری آہ و بکا اور ذہنی شکست کا سبب کیا ہے؟ جی ہاں! اس کا سبب ہے تاریخ کا ذہنوں اور نظروں او جھل ہو جانا! یہ دراصل کم ہمت لوگوں کی نشانی ہے، کہ آزمائشیں جن کے قدم اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ ایسے روتے پھرتے ہیں گویا ان کی چھوٹی سی عمر بھی ان سے چھین لی گئی ہے!

جب فضا اس قدر تنگ ہو جائے جیسے ایک قیدی کی زندگی ہوتی ہے، جب آپ کا کام فقط دن شمار کرنا رہ گیا ہو، جیسے نہر کے کنارے بیٹھا کوئی شخص اپنے سامنے سے پانی کو گذرتا دیکھتا رہتا ہے، مزید بر آں آپ کے کندھوں پر ہجرت واجنبیت کا بوجھ بھی ہو اور دشمن کی طرف سے مشکلات اور سختیاں بھی! اسی طرح دن پر دن گذرتے چلے جائیں، تو ذہن میں لا محالہ کچھ سوالات ابھرتے ہیں۔ کہ 'اب کیا ہو گا؟ یہ سب کیسے ہوا؟ کیا کبھی ایسا بھی ہو گا کہ دنیا مظلوم و مقہور قیدی اور ظالم و جابر کے درمیان عدل کرے؟'

لیکن اس سب سے زیادہ خطرناک حالت وہ ہے کہ جب آپ کے دل میں یہ خیال گردش کرنے لگے کہ اس مشکلات بھری فضا سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے؟ اور پھر جواب میں نظر سب سے پہلے ان اسباب کی طرف اٹھے جو ان مشکلات و مصائب کا سبب بنے تھے۔ معاذ اللہ

(جاری ہے)

قسط ۳:

پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہئے!

استاد احمد فاروق شہید رحمہ اللہ

جون ۲۰۱۴ء میں پاکستانی حکومت اور فوج نے 'ضربِ عضب' نامی فیصلہ کن آپریشن کا اعلان کیا تھا اور نفاذِ اسلام کا نام لینے والوں کو مٹانے کے لیے دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی... جس کی وجہ سے اسے بظاہر کچھ کامیابی بھی ملی۔ اس موقع پر بہت سے کمزور دل لوگ پریشان ہو گئے اور مجاہدین میں بھی مرجفین[1] نے ﴿وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا﴾[2] کے مثل یہ نعرہ لگایا کہ وقتی طور پر اس تحریک اور جہاد کو چھوڑ دیجیے اور مصالحت کر لیجیے۔ اس وقت استاد احمد فاروق شہیدؒ نے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں آپؒ نے شرعی، ایمانی، عسکری، اخلاقی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے۔ اس مضمون کے بنیادی مخاطبین خود مجاہدین ہی ہیں، تاہم یہ افادۂ عام سے خالی نہیں تھا اس لیے اسے عام نشر کیا جا رہا ہے، تاکہ مجاہدین تو ضرور اسے پڑھیں، پاکستان کے عوام بھی ضرور مطالعہ کریں اور اس راستے کی حقانیت کو اس شخص کی زبانی جانیں جس نے آخری دم تک مورچہ سنبھالے رکھا اور اپنی جان اسی مقصد کے لیے جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (ادارہ)

پاکستان میں جہاد جاری رکھنے کی عسکری وجوہات

(ا) خالص حکمتِ عملی کی نگاہ سے بھی جہادِ پاکستان کی سات سالہ تاریخ پہ نگاہ ڈالی جائے تو اس جہاد کو جاری و ساری رکھنے کا عزم و حوصلہ مزید بڑھ جاتا ہے، لہٰذا پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ باطل کے ساتھ کشمکش کئی مراحل پہ مشتمل ہوتی ہے، جن سے گزر کر ہی فتح و تمکین تک پہنچا جاتا ہے۔ اور الحمد للہ پاکستان کی جہادی تحریک ان میں سے کئی مراحل خیریت سے پار کر کے سفر کا ایک مناسب حصہ طے کر چکی ہے۔ پس نہ تو مایوسی کا کوئی سبب ہے اور نہ اتنی پیش رفت کے بعد پیچھے ہٹنے کا کوئی منطقی جواز!

- **باطل کے ساتھ کشمکش میں دعوتی مراحل**

---

[1] ایسے لوگ جو باقی لوگوں میں پریشانیاں پھیلاتے ہیں، بالخصوص دشمن کی برتری اور اپنی کمتری بیان کر کے صفوں میں انتشار و اضطراب پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ﴿وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ﴾ (الأحزاب: ٦٠) کا ذکر ہے، یعنی مدینے کے وہ لوگ جنھوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر ایسی باتیں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے شر سے مجاہدین کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

[2] ترجمہ: "اور جب ایک گروہ کہنے لگا کہ اے مدینہ والو! آج تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں، واپس پلٹ چلو"۔ (سورۃ الأحزاب: ۱۳)

[پہلا مرحلہ:] پہلا مرحلہ سرّی اور خفیہ انداز میں انفرادی دعوت کا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بنیادی ''السابقون الأولون'' تیار ہوتے ہیں جو آگے چل کو پوری تحریک کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ الحمدللہ یہ مرحلہ سالوں قبل طے ہو چکا ہے۔

[دوسرا مرحلہ:] دوسرا مرحلہ خفیہ دعوت کے نتیجے میں جمع ہونے والے افراد کو ایک خفیہ نظم اور جماعت کی شکل دینا ہوتا ہے، جیسے 'دارِ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ' اور مکہ کی گھاٹیوں میں خفیہ طور پہ دی گئی۔ یوں منتشر افراد ایک زیرِ زمین اجتماعیت میں بندھ کر ایک دوسرے سے تقویت پکڑتے ہیں۔ یہ مرحلہ بھی عرصہ ہوا الحمدللہ مکمل ہو چکا ہے۔

[تیسرا مرحلہ:] پھر دعوت کے اعلان کا ﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ﴾[3] کا مرحلہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دعوت چند محدود لوگوں کے دائرے سے نکل کر معاشرے میں پھیلنا شروع ہوتی ہے۔ الحمدللہ ہماری دعوت تو زبانوں، سی ڈیز، کیسٹوں اور کتابوں سے آگے بڑھتے ہوئے کئی ماہ تک تو ملکی میڈیا اور تمام ٹی وی چینلز پر چھائی رہی ہے اور نظام کا کفر، آئین کا اسلام سے تصادم، کفار سے دوستی کرنے کا شرعی حکم، نفاذِ شریعت کا وجوب جیسے اساسی اور حساس موضوعات بھی گھنٹہ گھنٹہ زیرِ بحث رہے ہیں۔ یقیناً ۱۸ کروڑ کی وسیع آبادی کے ملک میں اس اعلانیہ دعوت کے اثرات فوری ظاہر نہیں ہوتے، لیکن یہ دعوت بلاشبہ اپنی فطری رفتار سے معاشرے میں جگہ بناتی چلی جاتی ہے اور الحمدللہ بناتی چلی جا رہی ہے۔

[چوتھا مرحلہ:] پھر ایک مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کے سردار خطرے کا کچھ کچھ ادراک کرنے لگتے ہیں اور 'دارالندوہ' میں جمع ہو کر مشاورت کرتے ہیں اور ابتداءً محض پروپیگنڈہ اور سیاسی ذرائع سے دعوت کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف اصطلاحات کو ترویج دے کر (مثلاً صادق و امین کو مجنون، ساحر، کاہن کہنا...... یا آج کی اصطلاحات میں مجاہدین کو دہشت گرد، انتہا پسند، خودکش، ظالمان، درندے، غیر ریاستی عناصر قرار دینا) حاملینِ دعوت کو معاشرے میں تنہا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان ہتھکنڈوں سے جہاں بعض لوگ دعوت سے دور ہوتے ہیں وہاں بہت سے دعوت کی طرف متوجہ ہو کر اسے قبول کر لیتے ہیں۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس دعوت کو ''دلیل'' سے گرانا ممکن نہیں، اس لیے اسے جھوٹے پروپیگنڈے، الزامات اور حقائق مسخ کرنے سے گرایا جائے۔ الحمدللہ یہ مرحلہ بھی سر ہو چکا ہے۔

[پانچواں مرحلہ:] پھر دشمن دعوت کو پھیلتا دیکھ کر خطرے کا مکمل ادراک کر لیتا ہے اور جان جاتا ہے کہ یہ دعوت اس کے نظام کی حیثیت اکھاڑ ڈالے گی۔ اور یہ تبھی ہوتا ہے جب دعوت ملاوٹ سے پاک سچی قرآنی دعوت ہو۔ چنانچہ دشمن تمام دیگر خطرات کو ثانوی قرار دے کر اس ایک خطرے پر پوری توجہ مرکوز کر دیتا ہے، نیز معاشرے کی روایات اور قوانین میں اہلِ دعوت کے لیے جو

---

[3] [ترجمہ: ''پس جو حکم تمہیں (اللہ کی طرف سے) ملا ہے، وہ (لوگوں کو) سنا دو''۔ (سورۃ الحجر: ۹۴)]

گنجائشیں موجود ہوں، انھیں بھی بند اور ختم کرتا ہے؛ جیسے ابو طالب پر دباؤ ڈال کر انہیں نبی ﷺ کو پناہ دینے اور پشت پناہی کرنے سے روکا جانے لگا؛ قبائلی معاشرے میں بنی ہاشم کے مقام و مرتبے کو نظر انداز کر کے اور تمام قبائلی روایات پسِ پشت ڈال کر بنی ہاشم کے مردوں، عورتوں، بچوں سبھی کا معاشی مقاطعہ کر دیا گیا، حرمِ مکہ میں عین کعبہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحابؓ پر ہاتھ اٹھنے لگے، حالانکہ کل تک وہاں سگے باپ کا قاتل بھی آتا تو اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جاتا تھا۔

آج یہ مرحلہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے۔ 'داخلی خطرات' کو اصل خطرہ قرار دے کر فوج کے نظریۂ جنگ میں اساسی تبدیلی کر دی گئی، پھر 'انسدادِ دہشت گردی قوانین'، 'تحفظِ پاکستان آرڈیننس' اور اب 'فوجی عدالتوں' کے قیام جیسے اقدامات اٹھا کر نفاذِ شریعت کے داعیوں کے لیے معاشرے میں ہر قانونی گنجائش ختم کر دی گئی۔ بظاہر دیکھنے میں یہ بھی تکلیف و آزمائش محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہ باطل کے ساتھ جنگ کا ایک اور مرحلہ ہے، جو الحمد للہ طے ہو گیا۔

[چھٹا مرحلہ:] پھر اگلے مرحلے میں باطل نہتے لوگوں پر قوت کا استعمال کرتا ہے اور ظلم، تشدد، گرفتاریوں جیسے ہتھکنڈوں پر مشتمل 'کریک ڈاؤن' کے ذریعے حق کو مٹانے کی سعی کرتا ہے اور ان مظلوموں کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ یوں اہلِ حق کے پاس یا تو باطل نظام تلے رہ کر ظلم سہنے اور یا ہجرت پر مجبور ہو جانے کے سوا کوئی راہ نہیں رہتی۔ پس ۳سال تک بنی ہاشم 'شعب ابی طالب' میں محصور ہوتے ہیں، بعض کمزور صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم مشرکین کی قید میں تشدد سہہ رہے ہوتے ہیں اور باقی مسلمان حبشہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اور یوں 'قومی قیادت' کے اس 'نیشنل ایکشن پلان' پر 'کامیاب' عمل درآمد سے مکہ کی زمین کو اسلام کے شیدائیوں پر بالکل تنگ کر دیا جاتا ہے۔ اور حبشہ جا کر پناہ لینے والے مسلمان بھی جزیرۂ عرب میں دعوت پھیلانے کے منصوبے آگے نہیں بڑھا پاتے بلکہ کچھ عرصہ کے لیے اس پر مجبور کر دیے جاتے ہیں کہ اپنے معاشرے اور وطن سے لاتعلق ہو جائیں اور کوئی موثر کردار نہ ادا کر سکیں اور صرف مومنین و مومنات کی اس جماعت کی حفاظت کریں جو ۸ سے ۱۰ سال کی محنت سے تیار ہوئی ہے۔

یہ مرحلہ ہم آج دیکھ اور سہہ رہے ہیں اور الحمد للہ درست سمت میں سفر جاری ہے۔ یہ مرحلہ دراصل باطل کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اہلِ حق اپنے اصولوں پر اتنے پختہ ہیں کہ ان کے ساتھ سودے بازی ممکن نہیں۔ اور یہ اس بات کا اعتراف بھی ہوتا ہے کہ اہلِ حق کی دعوت اتنی جامع، مکمل، پختہ اور ٹھوس ہے کہ اس کو پنپنے دیا گیا تو باطل کا وجود باقی نہیں بچے گا۔

پھر چونکہ سیرت نبوی ﷺ کے برعکس آج 'جہاد' اور 'دعوت و تبلیغ' دونوں احکامات بیک وقت فرض ہیں، اس لیے نبوی دور میں ہونے والی حق و باطل کی کشمکش کے بعض مراحل کی ترتیب آج قدرے مختلف ہو گی۔ یا یوں کہیے کہ آج دعوتی دور کے مراحل اور جہادی دور کے مراحل کم و بیش ساتھ ساتھ جاری رہیں گے۔

- **باطل کے ساتھ کشمکش میں جہادی مراحل**

[پہلا مرحلہ:] اپنی زمین تنگ ہو جانے کے بعد اگلا مرحلہ ایک مرکز و پناہ گاہ یا ایک ارضِ ہجرت تلاش کرنے کا مرحلہ ہوتا ہے جہاں دین کے ایسے انصار و مددگار میسر ہوں جو مہاجرین کا استقبال کریں، ان کی دعوت کو اپنی دعوت اور ان کے مشن کو اپنا مشن بنالیں، ان کی اور ان کے مشن کی حفاظت کو اپنی جانوں پر مقدم رکھیں اور ان کو پناہ دینے کے 'جرم' میں ساری دنیا کی... حتیٰ کہ اپنی قوم کی... مخالفت بھی سہنے کو تیار ہوں۔ ایسی پناہ گاہ کے بغیر جہاد کی عمارت تعمیر نہیں کی جاسکتی اور مسلح باطل کے مقابل دین کو غلبہ و قوت نہیں دلایا جاسکتا۔ پس مکہ کی زمین تنگ ہونے کے بعد، شعب ابی طالب سے نکلتے ہی نبی ﷺ نے طائف کا سفر کیا، کئی قبائل سے موسمِ حج پر ملاقاتیں کیں، سب کے سامنے یہی سوال رکھا کہ " من ينصرني ؟ من يؤويني ؟" (کون میری نصرت کرے گا؟ کون مجھے پناہ گاہ فراہم کرے گا؟) یہاں تک کہ اللہ پاک نے اپنی رحمت سے اہلِ مدینہ کے قلوبِ سلیمہ کو کھول دیا اور انھوں نے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں اپنے آپ کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا اور پناہ دینے کا حق ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ الحمد للہ دنیا بھر کے مہاجرین کے لیے اہلِ وزیرستان نے بالخصوص اور قبائل تا سوات پھیلی غیور اقوام نے بالعموم اپنا سینہ کھول دیا اور انصار و مہاجرین کے ایمانی تعلق کی بنیاد پڑ گئی۔ اور اب دس سال سے انصار اپنی جانیں دے دے کر نفاذِ شریعت کے مشن کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں اور مہاجرین کو پناہ دینے کے 'جرم' میں دربدری، معاشی تنگی، جانی نقصانات اور دنیا بھر کی دشمنی برضا و خوشی سہہ رہے ہیں۔ اللہ پاک نصرت کا حق ادا کرنے والے ان انصار پہ اپنی لاکھوں رحمتیں [نازل] فرمائے، [آمین]۔

[دوسرا مرحلہ:] مرکز میسر آنے کے بعد ایک طرف وہاں سمع، طاعت اور قیامِ جماعت کے ذریعے اہلِ حق کو منظم کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اپنے نفوذ والے علاقے سے عسکری کارروائیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے مرکز اور اس کے ارد گرد دشمن کا نفوذ کم یا ختم کرنے کی سعی کی جاتی ہے، ان کے قافلوں پہ حملے شروع ہوتے ہیں، اپنے معاشرے میں موجود سردارانِ نفاق کا زور توڑا جاتا ہے اور معاہدات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو غیر جانبدار بنا کر[4] اصل دشمن پر توجہ مرکوز کر دی جاتی ہے، اور اس کے متوقع جارحانہ اقدامات کے لیے خود کو تیار کیا جاتا ہے۔ یہ مرحلہ بھی ہم پر گزر گیا اور ایک سے زائد جہادی نظم وجود میں آئے، انھوں نے اپنا نفوذ بڑھایا اور بتدریج وزیرستان تا سوات پورے خطے میں دشمن کا نفوذ کمزور اور مجاہدین کا نفوذ مضبوط ہو گیا، جو کہ بلاشبہ محض رب کی عطا تھی۔

[تیسرا مرحلہ:] ان ابتدائی عسکری اقدامات کے ساتھ ساتھ دشمن کے علاقے کے اندر تک جاکر اور اس کے قلب کے قریب پہنچ کر حملے کرنے کا آغاز بھی ہوتا ہے، جیسا کہ رجب ۲ ہجری میں سریہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مکہ اور طائف کے بیچ واقع

---

[4] اس نکتے پر عمل کرنے میں پاکستان کی جہادی تحریک نے کمزوری دکھائی اور اس سے نقصانات بھی ہوئے، مگر یہ موضوع تفصیل کا متقاضی ہے جس کا یہ مقام نہیں۔

مقام ’نخلہ‘ تک بھیجا گیا جو مکہ سے محض ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھا۔ نیز ۵ ہجری تک حملوں کا دائرہ اس قدر پھیلا دیا گیا کہ مدینہ سے ۱۵ دن دور اور دمشق سے صرف ۵ دن کے فاصلے پر واقع علاقے ’دومۃ الجندل‘ پر حملے کی نبی اکرم ﷺ نے خود قیادت فرمائی۔ نیز مدینہ کے قریب قریش کے قافلوں پر حملے تو مستقل جاری رہے۔ قریش نے اپنا پورا راستہ تبدیل کر کے شام کی بجائے عراق تجارتی قافلہ روانہ کیا تو ۳ ہجری میں سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھیج کر اس قافلے کو بھی نشانہ بنایا گیا اور ایک لاکھ درہم غنیمت حاصل کی گئی!

پس الحمدللہ یہاں بھی دشمن کے قلب میں گھس کر اس کی عسکری قوت کے مراکز کو نشانہ بنایا گیا اور شاید ملک کا کوئی بھی بڑا شہر ایسا نہیں بچا جہاں واقع فوج، ایجنسیوں اور پولیس کے مراکز ہدف نہ بنے ہوں۔

[چوتھا مرحلہ:] دشمن ’دعوت‘ کے ’مسلح‘ ہو جانے کو ایک خطرناک پیش رفت کے طور پہ دیکھتا ہے اور اس بڑھتی ہوئی عسکری قوت کو جو پورے علاقے میں اس کی ’رِٹ‘ کو چیلنج کر رہی ہوتی ہے، کچلنے کے لیے حملے (فوجی آپریشن) کرتا ہے۔ ابتدائی حملوں (بدر) میں اسے مار پڑتی ہے اور ہزیمت اٹھا کر واپس جانا پڑتا ہے۔ مگر اس کے بعد بہتر تیاری کے ساتھ حملہ کر کے (یومِ احد) اہلِ ایمان کو بھاری نقصانات پہنچاتا ہے۔

پس یہ سب بھی ہم نے دیکھا۔ ابتدائی آپریشنوں (وانا اور بالخصوص محسود) میں فوج کو بھاری نقصان سہنے پڑتے ہیں اور ۳۰۰ فوجی تو یک مشت ہتھیار ڈال دیتے ہیں، لیکن اس کے بعد کے آپریشنوں میں وہ بہتر تیاری کے ساتھ آتے ہیں اور بڑی قوت لگا کر اور ہماری کچھ کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ہمیں نقصانات پہنچاتے اور پیچھے ہٹانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

[پانچواں مرحلہ:] پھر ایک عسکری کامیابی (احد) سے حوصلہ پکڑ کر دشمن ایک حتمی، فیصلہ کن وار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی پوری قوت جھونک کر، اپنے حلیفوں اور اتحادیوں کو بھی ساتھ ملا کر اہلِ حق کو مکمل کچل ڈالنے اور ’آخری دہشت گرد کے خاتمے تک جنگ جاری رکھنے‘ کا عزم کر کے میدان میں آتا ہے، جیسا کہ غزوۂ خندق کے دن ہوا۔ ۱۵ دن (اور بعض روایات کے مطابق ۲۴ دن) طویل محاصرہ رہتا ہے، ۱۰ ہزار فوج مدینے کے دروازے پہ اسلحے سے لیس کھڑی ہوتی ہے اور خون کی پیاسی ہوتی ہے۔ منافقین کی سازشیں اور یہود کی غداریاں پشت کو بھی غیر محفوظ کر دیتی ہیں۔ سردی کی شدت، بھوک، مالی تنگی، اوپر نیچے، دائیں بائیں سے مسلط خوف آزمائش کو مزید بڑھا رہا ہوتا ہے۔ خواتین اور بچوں کی حفاظت کا بھی کوئی مناسب انتظام نہیں ہو پاتا اور ایک یہودی عین مسلمان خواتین و بچوں کے قیام کی جگہ تک پہنچ جاتا ہے۔ کیا یہ وہی سب مراحل نہیں جس سے آج وزیرستان اور قبائلی پٹی میں موجود مجاہدین گزر رہے ہیں؟؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ اس مرحلے کا انجام کیا ہوا؟

مشرکین کی فوج مسلمانوں کے 'مکمل خاتمے' کا ہدف لے کر آئی تھی جس میں وہ ناکام رہی۔ چونکہ باطل نے اپنا پورا زور لگا کر اپنے آخری پتے تک استعمال کر لیے، لہٰذا اس نے اپنے پاس مزید آگے جانے کی گنجائش نہ چھوڑی اور مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے بھی کوئی مزید وسیلہ اس کے پاس باقی نہ بچا۔ وہ معاملات کو اس آخری بلندی تک لے گیا جس کے بعد نیچے اترے اور زوال کی طرف جائے بغیر کوئی راہ نہیں بچتی۔ تبھی نبی ﷺ نے اس غزوہ کے اختتام پر فرمایا:

"الآن نغزوهم ولا يغزوننا، نحن نسير إليهم"۔

"آج کے بعد ہم ان پر حملہ کریں گے، یہ ہم پر دوبارہ چڑھ کر نہیں آئیں گے۔ اب ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے"۔[5]

اگر ہم صبر و استقامت سے کام لیں، اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں اور شریعت کی اتباع میں کمزوری نہ دکھائیں تو باذن اللہ ہم بھی اس مرحلے سے گزر رہے ہیں اور انجام کار بھی باذن اللہ یہی ہوگا۔ اس کے بعد باذن اللہ فتوحات کے مراحل آئیں گے اور دشمن اس مرحلے میں اٹھائے گئے اقدامات پہ نادم ہوگا۔

پس اللہ سے امید ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم دعوتی مراحل کے اعتبار سے ہجرتِ حبشہ اور شعب ابی طالب کے مرحلے تک پہنچ چکے ہیں اور جہادی مراحل کے اعتبار سے غزوۂ خندق کے مرحلے سے گزر رہے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ تو کیا کوئی عاقل اتنے مراحل طے کر لینے اور اتنی پیش رفت ہو جانے کے بعد بھی واپسی کی راہ لینے کی بات کر سکتا ہے؟

(۲) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ عسکری شعبہ جات کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے جتنے بارود، الیکٹرانیات، ہلکے بھاری ہتھیاروں اور میڈیا وغیرہ کے ماہرین پاکستان کی جہادی تحریک کے پاس آج موجود ہیں نہ آج سے ساٹھ سال قبل تھے اور نہ اس سے قبل کبھی بھی رہے ہیں۔

(۳) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ تربیت یافتہ نوجوانوں کی جو کھیپ آج اس کے پاس موجود ہے اور شہری جنگ اور جنگل و پہاڑ کی جنگ کا عملی تجربہ رکھنے والے جتنے مجاہدین آج اس کی صفوں میں موجود ہیں، وہ اس سے قبل نہ تھے اور سات سال قبل تو بالیقین نہ تھے۔

[5] [اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب المغازي، باب غزوة الخندق میں روایت کیا ہے۔]

(۴) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ ایک منظم فوج کے خلاف جنگ لڑوانے کی صلاحیت اور تجربہ رکھنے والے میدانی قائدین کی جو تعداد آج پاکستان کی جہادی تحریک کے پاس میسر ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی آج سے سات سال قبل نہ تھی۔

(۵) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ اس مبارک جہاد سے قبل پاکستان میں موجود بیشتر جہادی تنظیمات میں منصوبہ، مقاصد اور حکمتِ عملی 'آئی ایس آئی' کی ہوتی تھی جبکہ مجاہدین زیادہ سے زیادہ اس منصوبے کے دائرے میں رہ کر میدانی سطح پر تنفیذ کے وقت بعض تبدیلیاں کر لیا کرتے تھے...... لیکن اس جہاد نے مجاہدین کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے مقاصدِ عظمیٰ اور اصولی منصوبے سے لے کر میدان میں تنفیذ کی سطح تک تمام تر منصوبے خود بنائیں۔ اور الحمدللہ کئی سالوں کے تجربات کے نتیجے میں بدستور اور بتدریج ایسے جہادی قائدین کی تعداد میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے جو آزادانہ طور پر منصوبے وضع کرنے اور حکمتِ عملی طے کرنے کی صلاحیت و تجربہ رکھتے ہیں۔ اور بلاشبہ ہر خارجی اثر سے آزاد ایسی صالح اور باصلاحیت قیادت کا میسر آ جانا قوموں کی تقدیر بدل ڈالنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس یہ جہاد جاری رہنا چاہیے اور امت کو اس خیرِ کثیر سے محروم نہیں کیا جانا چاہیے۔

(۶) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ اس جہاد نے صالح مجاہدین کو یہ سیکھنے کا موقع دیا ہے کہ معاشی تنگی کے باوجود اپنی تحریک کو دشمن کی گود میں گرنے سے کیسے بچایا جاتا ہے؟ اور کس طرح نامساعد حالات میں قانونی پابندیوں اور رکاوٹوں کے بیچا بیچ جہادی تحریک کی مالی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور اسے معاشی خود انحصاری کے اس مقام تک لایا جاتا ہے جس کے حصول کے بغیر تحریکات ہی نہیں، ریاستیں بھی اپنی آزادی و خود مختاری برقرار نہیں رکھ پاتیں۔

(۷) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ اگرچہ آج ہم سے بہت سی ایسی زمین چھن گئی ہے جو کل تک ہمارے زیرِ اثر تھی، لیکن ایک تو یہ یاد رہنا چاہیے کہ تقریباً یہ تمام تر زمین ہی جہادِ پاکستان کے آغاز کے بعد حاصل کی گئی تھی اور عین جہاد کے آغاز کے وقت تقریباً اتنی زمین ہی میسر تھی جتنی آج میسر ہے۔

دوسرا یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ آج سے سات سال قبل جب یہ سفر شروع کیا گیا تھا تو افغانستان کی آزادی ایک دور کا خواب محسوس ہوتی تھی اور ہم پشت سے قطعی غیر محفوظ تھے اور امریکی فوج کے بڑے بڑے فوجی اڈے عین پاک افغان سرحد پہ موجود تھے۔ جبکہ آج الحمدللہ افغانستان کے وسیع علاقوں میں امارتِ اسلامیہ کو قوی نفوذ حاصل ہے، امریکی فوج تمام سرحدی علاقوں سے جا چکی ہے اور اب تو بعض پورے پورے صوبے خالی کر چکی ہے، اور اس کی مکمل پسپائی کا مرحلہ قریب ہے باذن اللہ۔ لہٰذا اپنی پشت کی طرف نقل و حرکت کی جو گنجائش آج میسر ہے وہ چند سال قبل نہ تھی اور تھوڑے سے صبر سے ان شاء اللہ ہماری پشت مزید محفوظ ہو جائے گی اور اللہ کی زمین میں ہمارے لیے مزید کشادگی پیدا ہو جائے گی۔

تیسری اور اہم تربات یہ ہے کہ ہم ’روایتی نظامی فوج‘ نہیں بلکہ ’چھاپہ مار قوت‘ ہیں اور چھاپہ مار قوت کے لیے زمین کا آنا جانا اصل اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ بیشتر اوقات زمین پر دشمن کے قبضے کے نتیجے میں دشمن دفاعی پوزیشن پر چلا جاتا ہے کیونکہ اب اسے قبضہ شدہ علاقے کی حفاظت اور وہاں اپنی رِٹ کو برقرار رکھنے کی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے برعکس چھاپہ مار قوت زمین چھن جانے کے بعد ہلکی پھلکی ہو کر زیادہ سرعت اور کامیابی سے حملے کرپاتی ہے اور دفاعی سے اقدامی پوزیشن پر چلی جاتی ہے۔ زمین پکڑنے پر ہمیشہ ’روایتی فوج‘ توجہ دیتی ہے جبکہ چھاپہ مار قوت اللہ کی تائید کے بعد عوام کو ساتھ ملانے پر توجہ مرکوز رکھتی ہے اور عوام ساتھ ہوں تو ان میں گھل مل کر دشمن کے عین قلب پر بھی وار کرلیتی ہے۔ اس لیے امیرِ محترم شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”چھاپہ مار جنگ کرنے والے مجاہدین کو ہرگز بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے اگر انہیں زمین چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑے، کیونکہ ان کی جنگ اصلاً عوام کو ساتھ ملانے کی جنگ ہے نہ کہ زمین پکڑنے کی“۔[6]

(۸) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ مدمقابل ریاستی مشینری کی اقتصاد بری طرح کمزور ہو چکی ہے، مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے[7]، صنعتیں تباہ ہو گئی ہیں، پے درپے سیلابوں نے زراعتی پیداوار پر بھی نہایت منفی اثر ڈالا ہے[8]، پھر فوج خود مالی مشکلات کا شکار ہے اور اس نے پیسے بچانے کے لیے ’بیٹ مین‘ کا نظام ختم کیا ہے، بعض دیگر سہولیات بھی کم کی ہیں، کئی فوجی مشقیں منسوخ کی ہیں تاکہ قبائل میں جاری جنگ کے اخراجات پورے کیے جاسکیں، جس کا محض کچھ حصہ امریکہ ’کولیشن سپورٹ فنڈ‘ کی شکل میں ادا کرتا ہے اور باقی خرچے فوج کو خود پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح فوج کے زیرِ استعمال جنگی سازوسامان بھی مستقل کئی سال سے حالتِ جنگ میں رہنے کے سبب فوج کے لیے پیچیدگیاں پیدا کر رہا ہے۔ مثلاً کوبرا ہیلی کاپٹرز کمپنی کی طرف سے طے کردہ اپنی پرواز کے زیادہ سے زیادہ گھنٹے (maximum flight hours) پورے کر چکے ہیں، اسی لیے جنرل کیانی سن ۲۰۰۹ میں اپنے افسروں کو نصیحت کرتا ہے کہ کوبرا کی عمر اصولاً پوری ہو چکی ہے اس لیے اسے کم سے کم استعمال کیا جائے۔ نیز مہران، کامرہ، کوئٹہ وغیرہ میں مجاہدین کی ضربوں کے سبب فضائیہ کو جو اربوں روپے اور قیمتی جنگی مشینری کا نقصان سہنا پڑا ہے یا اسی طرح فوج کو... قبائل تا سوات... جس قدر ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، ٹرکوں، جیپوں وغیرہ کا نقصان ہو رہا ہے، وہ اس کے علاوہ

---

[6] فرسان تحت رایۃ النبی ﷺ، جزء اول، ص ۱۳۷

[7] ڈیزل پیٹرول کی قیمتوں میں حالیہ کمی کو ”اقتصاد کی بہتری“ نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ کمی دراصل تیل کی قیمتوں میں عالمی سطح پر کمی کا نتیجہ ہے، اور عالمی سطح پر تیل کی قیمت کئی دہائیوں کی کم ترین سطح پر لے جائی گئی ہے تاکہ امریکہ روس کی اقتصاد کو نقصان دے سکے۔ یہ اس عالمی کشمکش کے وقتی اثرات ہیں کہ روپے کی قدر بھی گرنا بند ہو گئی ہے اور ڈیزل پیٹرول سمیت بیشتر اشیاء سستی ہو گئی ہیں، لیکن جلد یہ عارضی مرحلہ ختم ہو جائے گا۔

[8] اساسی قومی ادارے (ریلوے، پی آئی اے، اسٹیل مل) شکست وریخت کا شکار ہیں، قومی خزانہ (reserve) پاکستان کی تاریخ کی کم ترین سطحوں پر کھڑا ہے۔

ہے۔ نیز شمالی و جنوبی وزیرستان اور اسی طرح سوات تا کرم ایجنسی فوج کی جتنی بڑی تعداد اس وقت موجود ہے اس کی نقل و حرکت، اس کو رسد کی فراہمی، اسلحے کے ذخائر کی فراہمی سب پر فوج کا ماہانہ خرچہ بھی آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔

چونکہ ریاست ایک بڑا جسم رکھتی ہے اور ریاستی افواج کا حجم بھی بڑا ہوتا ہے، اس لیے اس ہر دم بڑھتے معاشی نقصان کے اثرات فوری طور پہ نظر نہیں آپاتے، لیکن صبر سے ضربیں لگائی جاتی رہیں تو یکایک ایک دن ریاست اپنے ہی بوجھ تلے دھڑام سے گر جاتی ہے اور لاکھوں لڑنے والے فوجیوں کی موجودگی کے باوجود فوج کے لیے جنگ جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وہ خطرات ہیں جن کا دشمن کو ہم سے بہتر ادراک ہے اور اس لیے وہ ہمارے خاتمے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ پس ہم بھی صبر کے ساتھ فوج کو ضربیں لگانے کا سلسلہ جاری رکھیں تا کہ اس ملک کی مظلوم عوام کو اس ظالم نظام سے نجات دلائی جا سکے۔[9]

(۹) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ خطے کے عمومی حالات ابھی بھی ہمارے حق میں ہیں۔ پاکستانی فوج کی مشرقی سرحد پر اس کا روایتی دشمن بھارت ہے، اور اگرچہ پاکستانی حکومت و فوج اس کے قدموں میں بچھ کر بھی اسے راضی کرنے پر تیار ہے مگر برہمن نے ہندوستان کا ٹوٹنا اور پاکستان کا بننا کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ پس پاکستانی حکمرانوں کی جانب سے ہر قسم کے تنازعات اختیار کرنے کے باوجود بھارت کا خطرہ تاحال ہر دم اس کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے اور پاکستانی فوج کے لیے مشرقی سرحد سے غافل ہو جانا قطعاً بھی ممکن نہیں۔ دوسری جانب مغربی سرحد پہ بھی بھارت نواز طبقہ افغانستان میں حکومت کر رہا ہے اور پاکستان کے خلاف مستقل ایک منفی اور جارحانہ رویہ اپنائے ہوئے ہے۔ نیز 'پنجابی فوج' اور 'افغان قوم' کے درمیان عداوت اتنی طویل تاریخ کی حامل اور دلوں میں اتنی راسخ ہے کہ امریکہ کسی طرح وقتی طور پہ دونوں ممالک کی حکومتوں کو مجاہدین کے خلاف کسی اتحاد میں اکٹھا کر بھی دے تو یہ اتحاد زیادہ دیر نہیں چل سکے گا اور نہ ہی اس کے اثرات زمینی سطح تک سو فیصد منتقل ہو پائیں گے۔ نیز 'ڈیورنڈ لائن' پر تنازعہ بھی اپنی جگہ بر قرار ہے اور شاید اس کا حل ہونا ممکن بھی نہیں۔ تیسری جانب پاک ایران تعلقات بھی کشیدہ ہیں اور گزشتہ سال تو بات ایران کی طرف سے باقاعدہ حملے کی دھمکی تک چلی گئی۔ پس ان سہ رخی بیرونی مشکلات میں گھری فوج کے لیے اپنی مغربی سرحد پر اور ملک کے اندر بھی ایک بھرپور جنگ لڑنا نہایت مشکل کام ہے، جسے بہت طویل عرصے جاری رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ جنرل کیانی نے ۲۰۰۹ء میں راولپنڈی میں فوجی افسران کے ساتھ ایک نشست میں واضح الفاظ میں کہا کہ 'ہماری وہ دونوں کور[10] جن کا کام جنگ کی حالت میں بھارت پر حملہ کرنا ہے،

[9] واضح رہے کہ ہم ہر ایسے کام سے گریز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس ملک کی مسلمان عوام کو براہ راست نقصان دینے کا باعث بنے، کیونکہ ہماری جنگ اپنی عوام کو کفر و ظلم کے نظام سے نجات دلانے کی خاطر ہے، لیکن اس جنگ کو کامیاب کرنے کے لیے ہمیں اور ہماری قوم کو مل کر کچھ قربانیاں دینا ہوں گی جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جنگ کا ایک فطری اثر سرمایہ کاروں کا بھاگنا اور معیشت پر زوال آنا ہوتا ہے۔ [لیکن مآلِ کار میں جب اہلِ اسلام اور مجاہدین قوت حاصل کر کے اسلامی نظام نافذ کر دیں گے تو خود آسمانی برکات سے ملکی معیشت بھی مستحکم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔]

[10] یعنی strike corps

مغربی سرحد پر پوری طرح مصروف ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی ریاستیں ایک وقت میں دو محاذوں پر جنگ نہیں لڑ سکتیں، تو ہمارے لیے تو یہ بالکل ہی ناممکن ہے۔ پس یہ صورتحال خطرناک ہے کہ ہماری فوج جس کی ساری ترتیب و تربیت اور منصوبہ مشرقی سرحد کے اعتبار سے بنایا گیا ہے، وہ زیادہ دیر مغربی سرحد پر پھنسی رہے۔ پھر ہم ایک کم چوڑائی / گہرائی والا ملک ہیں جس کے سبب ہمارے لیے دو محاذوں پر لڑنا بالکل ناممکن ہے۔ یہ موجودہ صورتحال بھارت کے لیے مثالی صورت ہے، اس لیے ہمیں جلد از جلد مغربی سرحد کے اندر جنگ کو سمیٹ کر، انجام تک پہنچا کر، واپس اپنی یک رخی (یعنی محض مشرق کی سمت توجہ رکھنے والی) حکمتِ عملی پر واپس آنا ہو گا'۔ پس خطے کے ان حالات اور ان کے بیچ میں پاکستانی فوج کی مشکلات پر نگاہ رکھی جائے تو یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تمام حالات فوج کے خلاف اور ہمارے حق میں ہیں اور ہمارے لیے اس فوج کو گھیرنا، اس کے حوصلے توڑنا اور اس میں مایوسی پھیلانا آسان کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر فوج کے تعلقات ہر سمت مثالی ہوتے اور وہ یکسوئی سے ہمارے خلاف ایک طویل جنگ میں اپنی پوری قوت کھپا سکتی، تو یقیناً ہمارے لیے عسکری اعتبار سے جنگ کو جاری رکھنا سہل نہ ہوتا۔

(۱۰) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ ملک کے داخلی حالات بھی تاحال ہمارے حق میں ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ فوج کو ملک کے اندر بھی متعدد دشمنوں کا سامنا ہے، بلوچستان میں فوج کے خلاف ایک بھرپور عسکری مزاحمت جاری ہے، گزشتہ عرصے میں سندھی قوم پرستوں نے بھی کچھ عسکری قوت استعمال کی ہے اور بہر کیف 'آزاد سندھو دیش' کی داعی جماعتیں آج بھی سرگرم ہیں۔ اسی طرح کراچی کو الگ کرنے کی صداؤں نے بھی تاحال دم نہیں توڑا۔ نیز پشتون قوم پرست جماعتیں بھی بلوچستان کے پشتون علاقوں اور سرحد میں گہرا اثر و رسوخ رکھتی ہیں اور 'پنجابی تسلط' کے خلاف گاہے بگاہے آواز بلند کرتی رہتی ہیں[11]۔ پس فوج کو ایک ایسے ملک کو سنبھالنا ہے جس میں جابجا دڑاریں پڑی ہوئی ہیں[12]، اور جہاں مجاہدین کے علاوہ بھی کچھ لوگ فوج کے خلاف مسلح بغاوت کے قائل ہیں۔ پھر فوج اس لیے بھی داخلی مشکلات کا شکار ہے کیونکہ تاریخی طور پہ پاکستان میں سیکولر اور بائیں بازو کے طبقات ہمیشہ فوج سے نالاں رہے ہیں اور دینی طبقات ہی ہمیشہ فوج کو 'مجاہد فوج' اور پاکستان کو 'اسلام کا قلعہ' سمجھ کر فوج کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ مگر اب پہلی بار خود اس دینی طبقے کے اندر سے فوج کے خلاف بغاوت بلکہ مسلح بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور یقیناً یہ صورتحال فوج کو نہایت مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ فوج کے لیے اپنا اسلامی لبادہ، 'ایمان، تقویٰ، جہاد' کا نعرہ برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ قوم کو ساتھ لے کر چل سکے اور خود اپنے سپاہیوں اور افسروں میں ان کے "حق" پہ بلکہ برسرِ "جہاد" ہونے کا احساس زندہ رکھ سکے۔ سیکولر طبقے کی طرف جھکاؤ سے فوج اس خلاء کو پُر نہیں کر سکتی۔ پس جس قدر دینی طبقے میں فوج کے خلاف بغاوت و بیداری بڑھے گی اسی قدر فوج کی جڑیں کٹیں گی۔

---

[11] ہم یہاں صرف امرِ واقع بیان کر رہے ہیں۔ یہ کہنا مقصود نہیں کہ ہم فلاں فلاں ایجنڈے کے حامی ہیں یا فلاں فلاں جماعتوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

[12] الا یہ کہ ہم خود ایسے کام کریں (مثلاً پشاور میں اسکول پہ حملہ) جس سے یہ سب دڑاریں بند ہو جائیں اور سب ہمارے خلاف جمع ہو جائیں۔

پھر فوج اس لیے بھی ایک مشکل جنگ لڑ رہی ہے کہ دینی مدارس کا مبارک جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اور بلاشبہ مجاہدین کی دعوت نے ان میں بہت جگہ پیدا کی ہے۔ دوسری جانب افغانستان میں ایک بھرپور جہاد جاری ہے جسے اہلِ پاکستان کی غالب اکثریت 'جہاد' اور برحق جدوجہد سمجھتی ہے۔ خود دینی مدارس بھی اس مبارک افغان جہاد کو مستقل نوجوان، طلبہ علم اور علماء فراہم کرتے ہیں۔ ایسے میں فوج کے لیے 'جہاد' کی صدا کو دبانا اور ان تمام عوامل کی موجودگی کے باوجود ملک سے "نفاذِ شریعت" کے جذبے کو ختم کرنا نہایت مشکل کام ہے، فوج کو یا تو پورے دینی طبقے، مدارسِ دینیہ، علماء، دینی جماعتوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرنا ہوگا...جو کہ پاکستانی فوج بلکہ ریاستِ پاکستان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے مترادف ہوگا[13]...اور اس کے برعکس اگر فوج محض پاکستان میں شریعت کے نفاذ کی دعوت دینے والوں پہ ہاتھ ڈالنا چاہے گی، تو یہ مجموعی حالات اتنی گنجائشیں اور جگہیں دے رہے ہیں کہ باذن اللہ یہ دعوت اور اس کے داعی اور اس کی خاطر لڑنے والے باآسانی نظام کی گرفت میں نہیں آئیں گے۔ اس کے علاوہ کرپشن، ظلم، معاشی بدحالی، مہنگائی، جاگیردارانہ نظام، طبقاتی تقسیم وغیرہ سے ستائی عوام ویسے بھی اس ملک کے حکمران طبقے اور جرنیلوں سے نفرت کرتی ہے اور اس سے نجات پانا چاہتی ہے۔ یہ سب داخلی عوامل مجاہدین کے حق میں جاتے ہیں اور اگر ان سے درست انداز میں فائدہ اٹھایا جائے تو باذن اللہ پاکستانی فوج کو شکست دینا مشکل امر نہیں۔

(۱۱) پاکستان میں جہاد جاری رہنا چاہیے کیونکہ اس ملک کے بہت سے علاقوں کا جغرافیہ چھاپہ مار جنگ کے لیے مثالی ہے۔ کہیں بلند و بالا پہاڑ، کہیں جنگلات، کہیں صحرا، کہیں نہریں، دریا اور دوآبے غرض ملک کے مختلف حصوں میں ایسی جگہیں میسر ہیں جو کسی روایتی فوج کے خلاف کمزور چھاپہ مار قوت کی پناہ گاہ کا کام دے سکتی ہیں۔

الغرض...... عسکری اعتبار سے جتنا بھی سوچا جائے، اس مبارک جہاد کو جاری رکھنے کے دلائل ہی زیادہ قوی اور وزنی نظر آتے ہیں۔ اللہ ہمارے قدموں کو ثبات بخشے، آمین!

(جاری ہے)

[13] [یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ فوج اور نظام یہی غلطی کر رہے ہیں، پچھلے دو سال سے فوج نے خصوصی طور پر اہلِ مدارس اور دینی جماعتوں کے خلاف جبر روا رکھا ہوا ہے اور گرفتاریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کی زد میں محض مجاہدین نہیں، بلکہ عمومی دیندار بھی آ رہے ہیں۔ یہ حالات ان شاءاللہ آخری کیل ٹھونکنے کے مترادف ثابت ہو رہے ہیں، جیسا کہ استاد احمد فاروق رحمہ اللہ نے پیشین گوئی کی تھی۔]

قسط ۳:

پاکستان میں نفاذ شریعت... مسائل اور حل؟

قاری عبد الہادی

پاکستان میں اسلامائزیشن کے لیے کی جانے والی آئینی کوششوں کا جائزہ

پاکستان کو جب انگریزوں سے برائے نام آزادی ملی تھی، تو جہاں سیاسی، معاشرتی، قضاء، تعلیمی اور دیگر نظم ونسق کا ڈھانچہ جوں کا توں رہا وہیں حکمران اور فوج بھی سابقہ ڈگر پر قائم رہی، وہی انگریزی قوانین نافذ تھے جو ۱۸۶۴ء میں ہند کے لیے بنائے گئے تھے اور مختلف ادوار میں ترامیم کے مراحل طے کرتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں مزید ترامیم و اصلاحات کے ساتھ پورے ہندوستان میں نافذ ہوئے اور آج بھی ۱۹۳۴ء کے تعزیراتِ ہند (انڈیا ایکٹ) کے نام سے مشہور اور ہم پر مسلط ہے۔ (العیاذ باللہ)

تو علمائے کرام نے بھی جہاں تمام شعبوں میں اپنی حد تک اصلاحات کی کوشش اور اسلامی اقدار کی حفاظت کی وہیں ان کفریہ قوانین کے خلاف مزاحمت اور شرعی قوانین کی تنفیذ کے سلسلے میں جدوجہد کی اور تحریک چلائی اور پاکستان میں جو کہ اسلام کے نام پر بیش بہا قربانیوں اور لاکھوں مسلمانوں کے خون سے معرضِ وجود میں آیا ان حکمرانوں سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا اور حکمت و تدبیر کے ساتھ ان ناعاقبتِ اندیش حکمرانوں کو یہ سمجھایا کہ دیکھو پاکستان لا الہ الا اللہ کے نام پر بنا، مسلمانوں نے اپنی جانیں اسلئے قربان کیں کہ ایک ایسا خطہ حاصل کر لیں جہاں اسلام کی بالا دستی ہو اور قرآنی قوانین کی تنفیذ ہو۔ اس سلسلے میں مختلف ادوار میں نفاذِ شریعت کی کوششیں کی گئی ان کو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے فرمودات کی روشنی میں بیان کریں گے کہ پاکستان میں اسلامائزیشن اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کئی کوششیں کیں گئی اور علمائے کرام نے اس مسئلے کو کتنی سنجیدگی سے لیا اور حکمران اسے لایعنی کام سمجھ کر ٹالتے رہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آخر کار یہ مسئلہ طاقِ نسیان کی زینت بن کر مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ میں تقریباً تمام علماء نے اپنی استطاعت کے بقدر کوششیں فرمائی مگر اس میں پیش پیش علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے اور سب سے زیادہ مسئولیت بھی ان پر تھی کیونکہ تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنانے، اسے مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھانے اور شرعی نقطۂ نگاہ سے ثابت کرنے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کاوشوں کا ہاتھ تھا۔ لہٰذا ان کے ذمہ یہ اخلاقی فریضہ بھی تھا اور شرعی فریضہ بھی کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی کوشش فرماتے کیونکہ مسلمانوں نے شیخ الاسلام پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی

جان ومال کا نذرانہ پیش کیا تھا، اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کیا جاسکتا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اسلامی نظام اور قرآنی احکام کی تنفیذ میں حکمرانوں کی دغابازیوں، جفاکشیوں اور غیروں کی مخالفت کے باوجود پوری کوشش کی، ضعف اور پیرانہ سالی میں پورے پاکستان کے دورے کیے اور نفاذِ شریعت کے سلسلے میں تحریک شروع کی اور اگر زندگی وفا کرتی تو مسلمانوں کے اس خواب کو ضرور عملی جامہ پہناتے جو آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ اور حضرت کی غیرت مندانہ مزاج کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر نفاذِ شریعت کی خاطر ان حکمرانوں سے جنگ کرنے کی نوبت آتی تو دریغ نہ کرتے اور نفاذِ شریعت کے لیے مسلح جدوجہد فرماتے۔ مگر افسوس کے زندگی نے وفا نہیں کی اور بہت جلد اس دارِفانی سے رخصت ہوئے اور نفاذِ شریعت کی آرزو اور دل کی حسرت ان کے ساتھ دفن ہوگی۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اسلام کی بالادستی، ان کفریہ قوانین کو ختم کرکے شرعی قوانین کی تنفیذ اور احکاماتِ قرآنی کا اجراء علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے متبعین اور نقشِ قدم پر چلنے والوں کے ذمہ نہ صرف فرض ہے بلکہ شیخ الاسلام کے ورثہ میں ملی مسئولیت بھی جو پاکستان کی آزادی کے بعد ان پر عائد ہوئی۔ ہم یہاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ان کاوشوں کو ذکر کریں گے جو انھوں نے پاکستان میں نفاذِ شریعت کے سلسلے میں کیں۔

الف: نفاذ شریعت کیلئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جدوجہد

پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مساعی جمیلہ اس بارے لدھیانوی شہید رقمطراز ہیں

"تحریکِ پاکستان کے دوران اکابرِ تحریک نے عوام کو نعرہ دیا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اور ان کی طرف سے پُرزور اور پُرکشش وعدے کیے جارہے تھے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔ پاکستان میں اسلامی نظام کی حکمرانی ہوگی اور پاکستان میں خلافتِ راشدہ کا نظام نافذ کیا جائے گا"۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے جلیل القدر رفقاء نے (جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے دینی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور اپنے اخلاص و تقویٰ کی بناء پر عام وخاص میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) ان وعدوں کی بنیاد پر تحریکِ پاکستان کی پُرزور حمایت کا عَلم اٹھایا۔ اس کے لیے شرعی دلائل مہیا کیے اور مسلم عوام کو تلقین فرمائی کہ دین و ملت کی بقا نظریۂ پاکستان میں مضمر ہے،

"حضرت علامہؒ نے ذمہ دارانِ لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے پاکستان کے بارے میں 'خلافتِ راشدہ' کا جو حسین خواب دیکھا تھا، ہزاروں تمناؤں اور بے شمار قربانیوں کے بعد جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶) کو (لیلۃ القدر کی بابرکت رات میں) منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا تو علامہؒ کو جس قدر خوشی اور مسرت ہونی چاہیے تھی وہ ظاہر ہے، اب اس نوزائیدہ مملکت کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لیے انہوں نے ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود

محنت اور انتھک کوشش شروع کر دی، حضرت علامہ کو کامل یقین تھا کہ "الکریم اذا وعد وفی" (ایک شریف آدمی وعدہ کر لیتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے) کے مطابق یہ حضرات جن کے ہاتھ میں پاکستان کی زمامِ اقتدار ہے، ان حتمی وعدوں کا ضرور ایفا کریں گے لیکن رفتہ رفتہ حضرت علامہؒ کو یقین ہوتا چلا گیا کہ یہ حضرات ان وعدوں کے ایفا کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے بلکہ یہ اسلام کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک روا رکھتے ہیں، اس لیے اسلام کے نفاذ کے مسئلے کو مظائف حیل ٹال رہے ہیں چونکہ ان کے پُرزور وعدوں کی یاد ہر خاص و عام کے ذہن میں تازہ تھی اور مسلم عوام ان سے ایفائے وعدہ کی توقع رکھتے تھے۔ اس لیے یہ حضرات عوام کو مطمئن کرنے کے لیے قیامِ پاکستان کے بعد بھی اپنے ان دعوں کو دہراتے رہا کرتے تھے"۔[14]

"لیکن یہ سب وعدے رفتہ رفتہ طاقِ نسیان کی زینت بنا دیے گئے اور نفاذِ اسلام کے لیے کسی ادنی سرگرمی کو بھی روا نہیں رکھا گیا بلکہ ناخدایانِ پاکستان نے مغربی افکار کے سیلاب میں بہہ کر اسلام سے صریح انحراف کا راستہ اپنا لیا"۔[15]

تو سادہ لوح علماء سادگی اور خود غرض ابناء الوقت علمائے سوء خود غرضی کی بنا پر ان کے مکر و فریب کے جال میں پھنس کر ان کی تائید کرتے ہیں، ان کے غیر شرعی امور میں تاویل کر کے انہیں جواز فراہم کرتے ہیں۔

اس کے بعد مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے حکمرانوں کی کج روی اور اسلام کی صریح مخالفت اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طرف سے جوابات کو ذکر کیا ان بے دین اور ملحد حکمرانوں نے اسلام اور ان علمائے کرام کے ساتھ کیا رویہ روا رکھا جن کی قربانیوں اور محنتوں سے پاکستان بنا۔ اس میں سے ایک اقتباس نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں

"الغرض اگر اربابِ اقتدار کی سیاست بخیر ہوتی اور اس ملک کی تاسیس علی التقویٰ ہوئی ہوتی تو حضرت علامہؒ کو اس شکوہ سنجی کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ جس طرح تحریکِ پاکستان کے دوران حضرت علامہؒ اور ان کے رفقاء کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا جاتا تھا[16] اسی طرح قیامِ پاکستان کے بعد ان کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا جاتا اور تحریکِ پاکستان کے دوران جو وعدے کیے گئے

---

[14] اس کے بعد لدھیانویؒ نے ان وعدوں کو ذکر کیا ہے جو وقتاً فوقتاً یہ حکمران مسلمانوں سے کرتے رہے مگر بسب طوالت حذف کر دیے گئے۔ جنہیں ذوق ہو وہ کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۲۰۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[15] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ تا ۲۵۴

[16] یعنی تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے ان علماء کی تائید اور فتاویٰ کی ضرورت تھی اس لیے کہ عوام حکمرانوں اور ان کے افواج پر اعتماد نہیں کرتے تھے آج بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ جب حکمرانوں اور اس کی فوج کو کسی جگہ بھی علمائے کرام کی تائید اور فتاویٰ کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کو اپنے قریب کیا جاتا ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہم بھی پکے مسلمان ہیں کلمہ پڑھتے اور یہ سب کچھ تمہارے اور ملک خاطر کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تھے ان کا مخلصانہ ایفاء کیا جاتا، لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا جن بزرگوں کی محنتوں اور قربانیوں سے تحریکِ پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی ان کو 'ملّا' کہہ کر پیچھے دھکیل دیا گیا اور نفاذِ اسلام کے تمام وعدوں کو طاقِ نسیان کی زینت بنا دیا گیا"۔[17]

▪ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے تحریک

اس بارے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حضرت علامہ کو ان حضرات کی منافقت، طوطا چشمی اور وعدہ خلافی سے بے حد صدمہ ہوا، انہوں نے عوام میں نفاذِ شریعت کی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا اور عام جلسوں میں اربابِ اقتدار کی وعدہ فراموشی کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کیا چنانچہ ڈھاکہ میں قوم کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

بعض لوگ کہتے ہیں اور بعض نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ حصولِ پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی مساعی عظیمہ کو اربابِ اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا ہے۔ نیز مذہبی طبقے کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف تو درکنار، نشر و اشاعت کے ان تمام ذرائع، جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں، اس کا خاص طور پر محافظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو خول اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنایا جاتا ہے اور جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا"۔

حضرت علامہؒ نے تحریکِ نفاذِ شریعت کے سلسلے میں نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"میرے نوجوانو! وقت ہے کہ تم ہمت اور اولو العزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ اور ان ممسوخ و زائغین کے فریب میں مت آؤ جو تم کو پھر اس غار کے اندر دھکیلنا چاہتے ہیں جس سے نکلنے کے لیے تم تحریکِ پاکستان کے وقت ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ لامذہبوں اور نفس پرستوں کی اندھی تقلید کچھ قابلِ فخر نہیں۔ خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارے نام روشن کرے گا اور اللہ اور رسول ﷺ کے سامنے سرخرو بنائے گا۔

یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی"۔[18]

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال

---

[17] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۲۵۹

[18] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۲۷۰

- **حکمرانوں پر تنقید اور نفاذِ اسلام کے لیے راہ ہموار کرنا**

حضرت شیخ الاسلامؒ نے نہ صرف یہ کہ خطبۂ ڈھاکہ میں اربابِ بست وکشار کے رویہ پر کڑی تنقید کی بلکہ انہوں نے مشرقی پاکستان کا(جہاں اسلامی نظام کی مخالفت کی تحریک کی ایک خاص طبقہ سرپرستی کر رہا تھا)طوفانی دورہ کیا اور چاند پور، سہلٹ، برہمن باریہ اور کشور گنج وغیرہ پر عام جلسوں سے خطاب کیا اور رائے عامہ کو اسلامی نظام کے لیے اتنا تیار کر دیا کہ اقتدار کے لیے اس مطالبہ کا ٹالنا ممکن نہ رہا کیونکہ حضرت علامہؒ نے ان سیاسی لیڈروں کے بارے میں اس قسم کے اشارے کر دیے تھے کہ

"یہ بات حیلہ سازی کے سوا کچھ نہیں کہ بے چارہ ملا تو فضا بدلنے میں لگا رہے اور ہمارے لیڈر اسے اور زیادہ خراب کرنے میں منہمک رہیں"

"انگریزی دور کی بدبو دار سیاست کا ممکن ہے یہ لوگ کچھ تجربہ رکھتے ہوں، مگر پاکستان بننے کے بعد مسلمان جس پرانی سیاست کا نیا ایڈیشن بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ طول وامل کی وجہ سے خوف ہے کہ اس کے سمجھنے کی اہلیت بھی ان سے سلب ہو چکی ہو"۔[19]

- **قراردادِ مقاصد نفاذِ شریعت کی ایک کڑی**

قراردادِ مقاصد بھی پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے کی جانے والی کوششوں کی ایک کڑی ہے جسے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مرتب فرمایا تھا[20]، جسے حکمرانوں نے علمائے کرام اور عوام کی مخالفت سے بچنے کی خاطر نافذ کرنے کا دعویٰ بھی کیا تھا اور بد قسمتی سے آج تک نافذ نہ ہو سکا۔ چنانچہ مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اربابِ اقتدار نے محسوس کیا کہ اگر انہوں نے کم از کم لفظی طور پر بھی اسلامی نظام کا مطالبہ منظور نہ کیا تو رائے عامہ ان کے خلاف ہو جائے گی اور آئندہ الیکشن میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا ہو گا۔ کیونکہ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی آواز اس وقت تمام دیندار مسلمانوں کی آواز تھی اور ملک کے سارے اسلامی فرقے اس مطالبے پر متفق تھے۔ چنانچہ ڈھاکہ کانفرنس کے قریباً ایک مہینے بعد ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے اسمبلی میں قراردادِ مقاصد پیش کی۔ قراردادِ مقاصد کی تنفیذ کا وعدہ صرف کہنے کی حد تک تھا اور آج تک ہماری عدالتوں میں بطورِ تبرک صرف کاغذی صورت میں موجود ہے اور تمام عدالتی فیصلے اسی انگریزی قوانین پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ آگے اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ قراردادِ مقاصد کی تنفیذ میں ان حکمرانوں نے

---

[19] تجلیات عثمانی صفحہ ۳۳۱ بحوالہ کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۲۷۱

[20] قرارداد مقاصد جو طوالت سے بچنے کے لیے حذف کیا جاتا ہے۔ جو دیکھنا چاہے کھری کھری باتیں میں دیکھئے جلد ۳ صفحہ ۲۷۶

دغابازی سے کام لیا محض علمائے کرام اور عوام کی تحریک کو خاموش کرنے کی غرض سے قراردادِ مقاصد کو نافذ کرنے کی حامی بھری تھی"۔

قراردادِ مقاصد کے نفاذ میں حکمرانوں کی دغابازیاں

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا جو انہوں نے قراردادِ مقاصد کی صورت میں دیکھا تھا جو کہ شیخ الاسلام کی وفات کے بعد حکمرانوں کی ٹال مٹول، حیل سازی اور مخالفت کی نذر ہوگیا۔ چنانچہ مفتی رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"یہ کمیشن دو سال قائم رہا، لیکن وزارتوں کے تغیر اور برسرِ اقتدار طبقہ میں کئی ایسے افراد کی طرف سے مسلسل رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار نہ تھے اس کمیشن کی مساعی کوئی نتیجہ پیدا نہ کرسکی"۔[21]

ب: اسلامی تعلیماتی بورڈ

اسلامی تعلیماتی بورڈ جو درحقیقت پاکستان میں نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ہونے والی دوسری کوشش تھی۔ اس بابت مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

"اسی (قراردادِ مقاصد) کے ساتھ سید سلمان ندویؒ کی نگرانی میں ایک 'اسلامی تعلیماتی بورڈ' تشکیل دیا گیا جس کے ذمے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنا تھا لیکن بعد میں قراردادِ مقاصد اور اسلامی تعلیماتی بورڈ دونوں ہمارے لیڈروں کی کج کلامی، کج ادائی کی نذر ہوگئے، چنانچہ لیاقت علی خان کے پورے دور میں اس سلسلے میں قراردادِ مقاصد سے آگے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا، بعد میں دستور بنتے اور ٹوٹتے رہے اور ہر دستور کے دیباچہ میں بطورِ تبرک 'قرارداد مقاصد' کو بھی درج کیا جاتا رہا مگر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ دستور کی کوئی دفعہ 'قرارداد' کے خلاف تو نہیں ہے؟ خود یہ قراردادِ مقاصد بھی ان دساتیر کا حصہ شمار نہیں کی جاتی تھی اور نہ کسی عدالت میں اس کا حوالہ دیا جاسکتا تھا، گویا اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی۔ مزید یہ کہ اسلامیات کی نمائش کیلئے ہر دستور میں بھی بعض دفعات رکھی جاتی رہیں، لیکن عملی طور پر نفاذِ شریعت کا مرحلہ کوسوں دور رہا، بلکہ جسارت بھی کی جاتی رہی کہ جب نفاذِ شریعت کا سوال سامنے آتا تو یہ کہہ دیا جاتا کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات اس سے مانع ہیں"۔[22]

---

[21] ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر صفحہ ۲۲۴

[22] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۲۲۴

آگے فرماتے ہیں کہ ان سب کے باوجود ہماری عدالتوں میں کفریہ قوانین نافذ ہیں:

”ہماری عدالتوں میں اسلامی قانون جو ۳۸ سال سے معطل چلے آرہے ہیں ان کو کب بحال کیا جائے گا؟ یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ تقسیم سے پہلے انگریز کا بنایا ہوا الادین قانون ’تعزیراتِ ہند‘ کے نام سے مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا“۔

اربابِ اقتدار کی طرف سے وعدے ہوتے رہے کہ اس عبوری قانون کی جگہ بہت جلد اسلامی قانون نافذ کیا جائیگا۔ اس کے لیے ’اسلامی تعلیماتی بورڈ‘ بنائے گئے، ’اسلامی نظریاتی کونسلیں‘ بنائی گئیں، کمیٹیاں تشکیل دی گئی اور رپورٹیں مرتب ہوئیں لیکن ان تمام نمائشی عوامل کے باوجود محاکم عدلیہ میں انگریز کا کافرانہ قانون جوں کا توں نافذ ہے۔

ج: شریعت بل

علماء کرام کی کوشش رہی کہ کفریہ قوانین ختم کرکے شرعی قوانین نافذ کئے جائیں۔ اور تقریباً تمام طریقے اپنائے مگر ان طاغوتی حکمرانوں اور ان کی مکاریوں کے آگے ان کا ہر منصوبہ ناکام رہا۔ ان کی کوئی سعی کامیاب نہ ہو سکی۔ ان طریقوں میں ایک طریقہ سینٹ میں شریعت بل پیش کرنا ہے۔ تقریباً ہر دور میں علماء نے شریعت بل پیش کیے۔ مگر آج تک شریعت نافذ نہ ہو سکی۔ باوجودیکہ یہ طریقہ اس ملک کا آئینی اور قانونی طریقہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا ان حکمرانوں کی اس دین سے دشمنی ہے اور عداوت ہے جسے وہ اس قوم پر ظاہر نہیں کرتے، شریعت کے مسلمہ اصول، رسول اللہ ﷺ کی سیاست و اسوۂ حسنہ اور ۷۵ سالہ علمائے کرام کے تجربات کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے اور اس نکتے کو سمجھ گئے کہ نفاذِ شریعت بغیر مسلح جدوجہد یا جہاد کے ممکن نہیں اور اس ملک میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی بالادستی قائم کرنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کارگر نہیں ہے۔

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نفاذِ شریعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ”جبکہ ہم نے گزشتہ سطور میں عرض کیا ہے کہ نفاذِ اسلام کی متعدد بار کوشش کی جاتی رہیں حتیٰ کہ شریعت بل سینیٹ اور اسمبلی سے پاس بھی ہو چکا ہے مگر عملاً آج تک ملک میں وہی انگریزی قانون رائج ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے عملی نفاذ کی کوئی صورت تجویز کی جاتی مگر اس طرف کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ اس کے عملی نفاذ کی کیا صورت ہو گی“؟[23]

❖ شریعت بل کو سینیٹ میں پیش کرنے کی متعدد کوششیں

---

[23] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۳۰۴

جیسا کہ مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے درج بالا اقتباس میں بیان فرمایا کہ نفاذِ اسلام کے لیے متعدد بار کوششیں ہوئیں سینیٹ اور اسمبلیوں میں نفاذِ شریعت کے بل پیش ہوئے مگر کچھ فرق نہیں پڑا۔ آیئے ان پر اجمالی روشنی ڈال لیتے ہیں، چنانچہ مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

”سن ۱۹۸۵ء میں مولانا قاضی عبد اللطیف اور مولانا سمیع الحق نے سینیٹ میں شریعت بل پیش کیا جسے بار بار کمیٹیوں کے حوالے کیا جاتا رہا، ’متحدہ شریعت محاذ‘ سے لیکر ’اسلامی نظریاتی کونسل‘ تک نے اس پر غور و خوض کیا اور عوام کی رائے لینے کے لیے اسے مشتہر کیا گیا، لیکن پانچ سال بعد ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینیٹ نے متفقہ طور پر منظور کر لیا، مگر وہ اس وقت کی بیگم زرداری حکومت کی ادائے جفا کی نذر ہو گیا اور اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا“۔[24]

اسی طرح نواز شریف کے دورِ حکومت میں بھی شریعت بل پیش کیا گیا مگر اس دور میں اس شریعت بل میں ترامیم پر ترامیم کر کے اسلام کے بجائے زندقہ بنا دیا۔ چنانچہ مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وزیر اعظم میاں نواز شریف، ان کے وزیروں اور مشیروں نے حکومت کے جاری کردہ شریعت بل کی جو توضیح و تشریح کی ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس بل سے شریعت نافذ کرنا مقصود نہیں، بلکہ حکومت کا مقصد موجودہ انگریزی قوانین کو قرآن و سنت اور شریعت باور کرانے کی کوشش کرنا ہے“۔ [25]

یہ حکمران درحقیقت شریعت نافذ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے ورنہ انہی دنوں تو یہ تحریک نفاذِ شریعت مالاکنڈ بنی جس میں لاکھوں مسلمانوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہمیں شریعت چاہیے اگر تم پاکستان کے دیگر علاقوں میں شریعت نافذ نہیں کرنا چاہتے تو خدارا ہم پر ظلم نہ کرو ہمیں ہمارے علاقوں میں اتنی آزادی دو کہ ہم ان انگریزی عدالتوں کے بجائے اپنے شرعی قضاۃ سے شرعی اصول کے مطابق فیصلے کرا لیا کریں۔ یہ رائے وہاں کی جمہور عوام نے پیش کی مگر ان کی ایک نہ سنی گئی اور نہ ان جمہور میں ہونے کی طرف نظرِ التفات کیا گیا۔ بلکہ الٹا ان کو کچل دیا گیا۔ بارہ ہزار آرمی کو بلا کر ان کے خلاف آپریشن کیا گیا، ہم اس درد بھری داستان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے بس صرف اتنا بتلانا مقصود تھا کہ یہ حکمران فی الحقیقت شریعت سے نہ صرف مخلص ہیں بلکہ شریعت سے بری طرح دشمنی رکھتے ہیں چنانچہ مولانا یوسف لدھیانویؒ نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”اگر نواز شریف نفاذِ اسلام میں مخلص ہیں تو انہیں سرحد کے بالائی علاقوں مالاکنڈ ایجنسی جہاں کے مسلمانوں نے نفاذِ

---

[24] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۳۰۰

[25] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۳۰۴

اسلام کے معاملے کو ایک تحریک کی شکل میں پیش کیا تھا اور ہزاروں مسلمانوں نے اس سلسلے میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، کم از کم وہاں فوراً اسلامی نظام کا اعلان کر دینا چاہیے"۔[26]

- **نفاذِ شریعت کی کمیٹیوں، کونسلوں اور بینچوں کا قیام**

علماء کی جانب سے جب بھی نفاذِ شریعت کا کہا جاتا تو یہ حکمران اس کے لیے کمیٹیاں، کونسلیں اور بینچ وغیرہ قائم کرتے کہ شریعت بل سے متعلق یہ کمیٹیاں بیٹھیں گی اور لائحہ طے کر کے فیصلہ کریں گی جو در حقیقت مسلمانوں اور علمائے کرام کو دھوکہ دینے کے حیلے وبہانے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا یوسف لدھیانویؒ اس پر بہترین فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چونکہ یہ ملک خالصتاً اسلام کے نام پر بنا تھا اور مسلمانوں سے عہد کیا گیا تھا کہ اس ملک کو ایسی مثالی 'اسلامی ریاست' بنایا جائے گا جو اقوامِ عالم کے لیے ایک نمونہ ثابت ہو۔ اس لیے مسلمانوں کی اشک شوئی کے لیے قیامِ پاکستان کے بعد ہی سے اسلام کے نام کی 'نمائش' ناگزیر سمجھی گئی، چنانچہ سب سے پہلے 'اسلامی تعلیماتی بورڈ' بنا پھر 'اسلامی قانون' کی کمیٹی بنائی گئی پھر 'زکوۃ کمیٹی' وجود میں آئی پھر ایوب خان کے زمانے میں 'ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی' وجود میں آیا پھر بھٹو صاحب کے سامنے 'اسلامی نظریاتی کونسل' سامنے آئی۔ ان تمام کونسلوں، کمیٹیوں، اداروں اور مجلسوں پر قوم کا کروڑوں روپیہ صرف ہوا چونکہ مقصود صرف نمائش تھی، اس لیے کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہ آیا۔ قوم اسلام کے معاملے وہیں کھڑی رہی جہاں ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو کھڑی تھی، بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ اس سے بھی پیچھے تہائی صدی اک پوری نسل تبدیل ہو جاتی ہے مگر افسوس کہ پاکستان کی قسمت تبدیل نہ ہو سکی"۔[27]

- **اِن کمیٹیوں اور کونسلوں کی تشکیل ہی اسلام کے خلاف ہے**

حضرت یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر اسلامی کونسل کی تشکیل ہی اسلام کے خلاف کی جائے تو وہ اسلام کی جو خدمت کرے گی اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح پڑھے لکھے لوگ جو اسلامی قوانین کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کی نجی محفلوں میں جنابِ صدر کی اسلام پسندی کو 'دقیانوسیت' کہہ کر خندۂ استہزا بلند کیا جاتا ہو اور جن کی زندگی کے صفحات پر اسلام اور اسلامیت کی کوئی امانت نظر نہ

---

[26] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۳۰۶

[27] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۱ صفحہ ۹۲

آئے، ان کا کونسل میں نامزد کیا جانا بھی کونسل کی افادیت کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔28

- **شریعت بل پہلے وزارتِ قانون اور عوام کے سامنے پیش کرنا**

شریعت بل پہلے وزارتِ قانون کے سامنے پیش کیا جائے گا، یعنی وزارتِ قانون شریعت پر بالا دست ہے۔ یہ نکتہ مفتیانِ کرام کے لیے قابلِ غور ہے اور اس سے بھی اشد مسئلہ شریعت کو عوام کی عدالت میں پیش کرنا ہے۔ اس امر سے ایمان ختم ہونے کا اندیشہ ہے اور یہ کفریہ فعل ہے جس کے بارے میں مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

"نفاذِ شریعت کے مسئلے کو 'عوام کی عدالت' میں پیش کرنا درحقیقت شریعتِ الٰہی کی تذلیل ہے اور یہ ایک ایسا جرم ہے جس پر سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے، اس سے انگریزوں کے ابتدائی دور کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ جب انہوں نے اسلامی قانون کو معطل کر کے اپنا قانون عدالتوں کو دیا تھا اور تقسیمِ وراثت کے بارے میں 'عوام کی رائے' معلوم کرنے کے لیے یہ پوچھا تھا کہ وہ وراثت کی تقسیم 'محمڈن لاء' کے مطابق چاہتے ہیں یا رواج (یعنی انگریزی قانون) کے مطابق؟ اس وقت کے جاگیر دار و سرمایہ دار اور دانشور طبقہ نے عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں 'محمڈن لاء' نہیں چاہیے، رواج چاہیے"۔[29]

اس کے بعد مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

"اس کے علاوہ موجودہ طریقِ کار محلِ نظر اور لائقِ اصلاح ہے کہ 'اسلامی مشاورتی کونسل' کے تیار کردہ مسودے میں پہلے وزارتِ قانون اصلاح دیتی ہے اور پھر اس کی اصلاح در اصلاح کیلئے کابینہ اس پر غور کرتی ہے"۔[30]

اس تمام بحث کا خلاصہ اور مقصود یہ بتلانا ہے کہ علمائے کرام کی طرف سے اس ملک میں نفاذِ شریعت اور اسلامائزیشن کے لیے تمام طریقے اپنائے گئے اور ہر قسم کے تجربات اختیار کیے گئے۔ شاید کہ ان علمائے عظام نے کوئی طریقہ، کوئی تجربہ اور کوئی اسلوب چھوڑا ہو اور ان اکابرِ امت کی طرف سے بھی پوری کوششیں کی گئیں کہ کسی طرح نفاذِ شریعت کا مسئلہ پاکستان کے اقتدار پر قابض حکمرانوں کی عقلوں میں اتر جائے اور اس کا نفاذ ہو جائے اور اس مسئولیت اور بار کو اکابرِ امت احسن طریقے سے پورا کر کے اپنی طرف سے بری الذمہ ہو گئے اور ان حکمرانوں اور اس کی فوج پر حجت تمام کر گئے۔ اب عوام کی نظریں اکابرین کے ان

---

[28] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۲ صفحہ ۹۴

[29] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۱۷۴

[30] اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۱ صفحہ ۹۵

ورثاء کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ جو امانت ان اکابر کی طرف سے اس سرزمین پر نفاذ شریعت کی صورت ان کی طرف منتقل ہوئی ہے وہ کیا رویہ، منہج اور اسوہ اپناتے ہیں، جبکہ ان کے پیشِ نظر اسلاف کے ۷۵ سالہ تجارب بھی ہیں۔۔۔؟؟

اگر یہ حضرات کھلے حقائق اور اکابر کے تجارب کے باوجود بھی ان حکمرانوں کے خود ساختہ غیر شرعی قوانین اور کفار کے وضع کردہ کفری نظام کے تحت نفاذ شریعت کی کوشش کا نعرہ لگاتے ہیں تو یہ ایک لاحاصل و لایعنی جدوجہد ہے اس کے ذریعہ نہ پہلے شریعت کا نفاذ ہوا ہے اور نہ آئندہ ممکن ہے اور اس پر الجزائر، سوڈان اور مصر کی تاریخ گواہ ہے لہٰذا اس نام نہاد آزادی پر اکتفاء کرلینا کہ ہماری مسجد مدرسہ آزاد ہے ہمیں دعوت و تبلیغ کی اجازت ہے اور اس آزادی پر ہر سال جشن منالینا یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور ان قربانیوں اور شہادتوں کے ساتھ نعوذباللہ ایک قسم کی غداری کے مترادف ہے۔۔۔یہ کیسی آزادی ہے۔۔۔؟ کہ ہماری عدالتوں میں قرآن کے بجائے کفریہ قوانین سجائے گئے ہوں، ہماری عدالتوں میں شریعت کے بجائے وہی انگریزی قانون نافذ ہو، ہمارا تعلیمی ڈھانچہ اسی لارڈ میکالے کے اختراع کردہ ملحدانہ نظامِ تعلیم پر کھڑا ہو، ہماری سیاست انہی انگریزوں کی ایجاد کردہ لبرل جمہوری بنیادوں پر استوار ہو، ہماری معیشت انگریزی سرمایہ دارانہ سودی نظام پر قائم ہو، ہماری معاشرت میں انگریز کی تہذیب و ثقافت کا رواج ہو، اگر آزادی اسی کا نام ہے تو اس قسم کی آزادی تو انگریز دور میں اس سے کہیں زیادہ تھی انگریزی دور میں تو مساجد آباد تھیں ،مدارس قائم تھے ،خانقاہیں بھی اپنے جوبن پر تھیں،دعوت و تبلیغ ،اصلاح و ارشاد بھی اپنے عروج پر تھے پھر آخر کیوں علماء نے آزادی کی تحریک چلائی اور عوام نے اتنی قربانیاں دیں گھر بار، جان مال، عزت آبرو کس چیز کو قربان نہیں کیا گیا... اور انگریز جو ہمارا اتنا بڑا دشمن بنا کیا بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم مسجد مدرسہ و خانقاہ کی آزادی چاہتے ہیں... نہیں ہر گز نہیں ...انگریز کو اس بات سے چڑ نہیں تھی اور نہ آج ہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم بس اسلام کو عدالتوں، بازاروں اور نظامِ حکومت میں لانے کی بات مت کرو بعینہ یہی بات انگریز کے مسلط کردہ کٹھ پتلی نام نہاد اسلامی حکمران بھی کرتے ہیں اور نہ صرف کرتے ہیں بلکہ عملاً اس کا نفاذ کیے ہوئے ہیں، تمام مسلمانوں پر کفریہ قوانین مسلط کیے ہوئے ہیں اور انگریزوں کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔اسلام کے پرخچے اڑادیے گئے۔یہی روداد مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے درد بھرے الفاظ میں سنیے:

"انگریزوں کی دو صد سالہ غلامی کے زیرِ اثر اور آزادی کے بعد دیسی صاحب بہادروں کی انگریزیت پرستی کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ عملی طور پر اسلام سے عاری ہو چکا ہے۔ ایوان صدر سے لے کر مزدور کی جھونپڑی تک اور عدالت عالیہ سے لیکر کسی چھوٹے سے چھوٹے ادارے تک اسلام کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا۔اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ اب بھی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، الحمدللہ! مساجد اور دینی قلعے بھی آباد ہیں، نماز وروزے کا بہترین نظام ہے، لیکن یہ سب کچھ تو انگریز کے دور میں بھی تھا۔کیا اُس وقت بھی ہندوستان میں اسلام نافذ تھا؟ سوال تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ہم نے عملی طور پر

اسلام کا کون سا حکم نافذ کیا؟ اسلام کی سربلندی کے لیے کیا کچھ کیا؟ کوئی شبہ نہیں کہ اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہے، مگر جب ہندوستان پر انگریز حکمران مسلط ہوا تو اس نے ہمارے تعلیمی اداروں سے، ہماری عدالتوں سے، ہمارے دفاتر سے، ہمارے قومی اداروں سے، ہماری تجارت سے، ہماری معیشت سے اور ہماری معاشرت سے اسلام کے تمام آثار کو کھرچ کر صاف کر دیا اور غلام ہند میں اسلام مسجدوں اور دینی مدارس میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ نظریاتی طور پر اگرچہ اسلام منسوخ نہیں ہوا تھا مگر عملی زندگی کے ایک ایک شعبے اور ایک ایک گوشے سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد ضرورت تھی کہ قوم اس اجتماعی جرم سے توبہ کرتی اور انگریز کے منسوخ کیے ہوئے اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں دوبارہ نافذ کرتی۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ آج اکتیس سال بعد قوم بدستور انگریز کی لکیر کو پیٹ رہی ہے اور اجتماعی جرم سے توبہ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوئی۔

اگر اربابِ اقتدار نے انگریز کے منسوخ کردہ اسلام کو ملک میں دوبارہ نافذ کر دیا ہوتا اور اس کے بعد بھی قوم کے افراد بے عمل رہتے تو یہ گناہ انفرادی ہوتا اور اس کی سزا دنیا یا آخرت میں ہر شخص کو انفرادی طور پر ملتی۔ مگر اجتماعی طور پر اور حکومتی سطح پر منسوخ شدہ اسلام کو بدستور منسوخ رہنے دینا اور اکتیس برس تک اسلام کی ایک بات کو کسی شعبے میں بھی نافذ نہ کرنا یہ تو اجتماعی بغاوت اور اجتماعی گناہ ہے، اس کی سزا بھی پوری قوم کو ملے گی اور مل رہی ہے۔ آج ہمارا ملک جس بدامنی، خودغرضی، نفسانفسی ، فرض شناسی اور انتشار کا شکار ہے کیا یہ اس اجتماعی جرم کی دنیا میں سزا نہیں؟ اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہو گا“۔

اور آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”پاکستان میں اسلام وہ سب سے بڑا یتیم ہے جسے نہ ایوانِ حکومت میں پناہ ملتی ہے، نہ ایوانِ عدالت اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہے، نہ ساہوکار اسے تجارت کی منڈی میں دخل دینے کی اجازت دیتا ہے، وہ کل انگریز کے دور میں بھی مسجد و مدرسے کی چار دیواری میں پناہ لینے پر مجبور تھا، آج پاکستان میں بھی ـــــ ہاں اسی پاکستان میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، بدستور وہیں پناہ گزین ہے اور محصور ہے، مگر جنرل[31] صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام نافذ ہو چکا ہے“۔[32]

❖ اسلام کو برہنہ کر کے دھکیل دیا گیا

---

[31] جنرل سے مراد ضیاء الحق ہے، یعنی وہ کہہ رہا تھا کہ: ”پاکستان میں شریعت نافذ ہے“۔ جیسا کہ آج بعض مسلمان سادگی یا کم علمی میں ان انگریزی قوانین کو اسلامی قوانین کہہ دیتے ہیں جسے فقیہ الامت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ صریح کفر کہہ رہے ہیں۔

[32] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۴، ۲۳، ۲۲

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

”اسلامی جذبے کے تحت یہ ملک حاصل کیا گیا، لیکن ہوا یہ کہ اسلام کو برہنہ کر کے دھکیل دیا گیا اور کفر و ارتداد اور تحریف و الحاد کے کتے اس کے پیچھے چھوڑ دیئے گئے اور دوسری طرف اسلام کا دفاع کرنے والی زبانیں یخ بستہ (پابند) کر دی گئیں اور اب اسلام موت و حیات کے دوراہے میں کھڑا بڑی بے بسی کے عالم میں ”مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں“ کی درخواست کرتا ہے، لیکن کسی کو اس کی حالت پر ترس نہیں آرہا ہے بلکہ اربابِ بست و کشاد بڑی دلچسپی سے مصروفِ تماشا ہیں اور اسلام کے بعض نام لیوا گوشہ عافیت میں بند پڑے ہیں۔ اے کاش! کسی کو اس کی حالت پر رحم آتا اور اس کے اصل کپڑے ہی کم از کم واپس کر دیئے جاتے“۔[33]

گویا مولانا یوسف لدھیانوی شہید بہت درد کے ساتھ علمائے امت کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ گوشہ نشینی اور استسلام کا رستہ نہیں ان ملحدین کے ساتھ ٹکر کا رویہ اپنانا چاہیے۔

”یہاں اسلام کو ختمِ نبوت کا صدمہ پیش آیا، لیکن عالَمِ بالا کے لوگ ٹَس سے مَس نہ ہوئے۔ احادیثِ نبویہ کا تمسخر اڑایا گیا، کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی، حدود اللہ کا انکار کیا گیا کسی کو جنبش نہ ہوئی، شراب، جوا اور سود کی حلت کے فتوے صادر ہوئے ، لیکن کسی کی جبینِ غیرت پر شکن نہ پڑے، اب اسلامی شعائر کو منہدم کر کے اس کے کھنڈروں پر 'جاہلیتِ جدیدہ' کے محل تعمیر کیے جانے کے منصوبوں کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ لیکن کوئی بااختیار شخصیت ایسی نہیں جو ان لوگوں کے ہاتھ سے اسلام کو مسمار کرنے والے اوزار چھین لے“۔[34]

(جاری ہے)

---

[33] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۱۲

[34] ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں جلد ۳ صفحہ ۱۲

دین اسلام کا مزاج

لا الہ الا اللہ کی بالادستی، محمد رسول اللہ کے منہج پر

مولانا ابو حمزہ بنوری

دین اسلام کا مقام۔ ان الدین عند اللہ الاسلام

اللہ رب العزت نے دینِ اسلام کو کامل دین بنا کر خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنایا، اور اس دین کو مسلمانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات بنایا، اور اس دین کی پسندیدگی کا اعلان خود اپنے کلام پاک میں ان کلمات سے فرمایا کہ: ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران۔۱۹) ترجمہ: بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پس جس دین کی پسندیدگی کا بیان کلام پاک میں رب کائنات کی جانب سے موجود ہو تو اس کی قبولیت میں بھلا کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔ پھر اس دین کو معیار حق بنا کر اپنی رضا کو مژدہ اپنے پاک کلام میں ان الفاظ میں بیان فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ور ضیت لکم الا سلام دینا (المائدہ۔۳) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔ لہٰذا جو بھی بندہ مومن اپنے رب کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اور عبدیت کا حق ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے معیار حق دین اسلام کی مکمل تابعداری کرنا ہے۔ ہر وہ طریقہ و طرز عمل اور انداز عبادت جو شریعت اسلامیہ سے مماثلت نہیں رکھتا وہ مذموم و مردود ہو گا۔۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں اس بات کو اس اندز میں بیان میں فرماتے ہیں: و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه، وھو فی الاخرۃ من الخاسرین (اٰل عمران۔۸۵) ترجمہ: جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دین اسلام - دین فطرت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو فطرت سلیمہ پر پیدا فرمایا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اس کی ربوبیت، الوہیت اور عبادات میں واحد تسلیم کیا جائے، اور انسانوں کی اسی فطرت کے متعلق اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں: فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (روم۔۳۰) ترجمہ: لہٰذا تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف قائم رکھو۔ اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر

چلو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جب یہ اسلام دینِ فطرت ہے تو اس کے اوامر پر عمل کرنا اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنا آسان ہو گا، بشر طیکہ انسان نے اپنی فطرت سلیمہ کو شرک، یا معاصی سے بدل نہ دیا ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما من مولودالایولد علی الفطرۃ، فابواہ یہودانہ، او ینصرانہ، او یمجسانہ۔ (البخاری) **ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

دینِ اسلام کی دعوت - اطاعۃ اللہ واطاعۃ الرسول

دین اسلام کی بنیاد و اساس اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر رضامندی ہے، جس کا مظاہرہ اسلام کے تمام احکام پر عمل کے ذریعے کیا جاتا ہے، ان احکام کا تعلق انفرادی زندگی سے ہوں یا اجتماعیت سے ہو، وہ دینی وسیاسی معاملات، یا معاشی و معاشرتی سے متعلق ہوں۔ احکام پر رضا مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو غیبی عقائد، تعبدی شعائر، شرعی احکام لائے ہیں ان کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہوئے ان کی مکمل تابعداری کرنا ہے۔ اسی طرح اللہ کو رب ماننے اور محمد ﷺ کو رسول ماننے اور اسلام کو دین ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کے نزدیک اس کے تمام معاملات میں اول و آخر مرجع صرف و صرف اللہ کا دین ہو۔ قرآن مجید میں اس بات انتہائی واضح الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر۔ (الاحزاب۔۲۱) **ترجمہ:** حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو۔

دین اسلام اپنے ماننے والوں پر اس بات کو واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ یہ دین رب کائنات کا نازل کردہ ہے اور اس میں تشریع الاحکام کا حق بھی صرف رب کائنات کو حاصل ہے اور اس تشریع الاحکام میں اس کو کوئی شریک نہیں ہے جس طرح وہ جمیع ماکان مایکون کے خالق و مالک ہونے میں وحدہ لاشریک ہے۔ اسی طرح قانون سازی کرنے میں بھی تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ شانہ نے تمام انبیاء کرام کو اسی دعوت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ جو کہ قران مجید کی اس آیت میں ذکر ہے: وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الّا انا فاعبدون۔ (الانبیاء۔۲۵) **ترجمہ:** اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا میری عبادت کرو۔ اللہ جل شانہ ہی حقیقی شارع اور حاکم ہے، کسی فرد، تنظیم، ادارے یا نظام کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ دین

اسلام میں کسی طرح کی قانون سازی کرے، یا شریعت اسلامیہ کے مقابلے میں کسی نظام کو قائم کرے اور اس میں حاکمیت اعلیٰ کا حق رب کائنات کے بجائے انسانوں کے سپرد کرے۔۔ پس جس نے بھی قانون سازی کا حق اللہ جل شانہ کے علاوہ کسی اور کے حوالے کیا تو قرآن مجید ایسے لوگوں کو ظالمین میں شامل کرتے ہوئے انہیں دردناک عذاب سے ڈراتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله، ولو لا كلمة الفصل لقضي بينهم ،وان الظالمين لهم عذاب اليم (الشوری۔۲۱) **ترجمہ:** کیا ان (کافروں) کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین طے کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اور اگر (اللہ کی طرف سے) فیصلہ کن بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کا معاملہ چکا دیا گیا ہوتا۔ اور یقین رکھو کہ ان ظالموں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔

دین اسلام کا خصوصی امتیاز - جاء الحق وزھق الباطل

ہر شئے کی کچھ امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اپنی دیگر انواع سے ممتاز ہوتا ہے، اسی طرح دین اسلام کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اسلام کے پاکیزہ احکام و نظام کے آنے کے بعد کسی طرح کی جہالت و گمراہی باقی نہ رہے، بلکہ اسلام کے نور سے تاریکیاں و ظلمتیں چھٹ جائیں گی، اور اس دین کے پھلنے پھولنے سے کوئی طاقت روک نہ سکے گی کیونکہ جس دین کی حفاظت کا اعلان خود رب کائنات نے ''انا له لحافظون'' سے کیا ہو تو بھلا وہ دین کیسے مٹ سکتا ہے یا کیسے کمزور ہو سکتا ہے، بلکہ دین اسلام کی فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے جب جب اس کے مقابل سخت میدان برپا کئے گئے یہ اسی قدر اپنی رعنائیوں کے ساتھ ظاہر و غالب ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے اس دین کی فطرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا (الآ سراء۔۸۱) **ترجمہ:** اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقینا باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔

صاحب تفسیر طبری ''جاء الحق وزهق الباطل'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”جاء كل ما كان لله فيه رضا و طاعة“ ذهب ماكان لارضاالله فيه ولا طاعة، ”ذهب كل ماكان لا رضا لله فيه ولا طاعة۔ **ترجمہ:** ہر وہ عمل جس میں اللہ کی رضا و فرمانبرداری ہے وہ آن پہنچی ہے، اور ہر وہ عمل جس میں اللہ کی نافرمانی و ناراضگی ہے وہ مٹ گیا ہے۔ پس جس نظام باطل کو ختم کرنے کا ارادہ اللہ پاک نے فرما دیا ہے تو وہ نظام اپنی قوت کے سہارے کتنے عرصے قائم رہ سکتا ہے۔ بالآخر فتح حق کا مقدر ہے اور امت مسلمہ کی جہادی ضربوں سے اس نظام باطل کو نیست و نابود ہونا ہے باذن اللہ، کیونکہ!

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ۔۔۔ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

تقدیرِ دین حق - لیظهره علی الدین کله

دین اسلام کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ یہ دین تمام ادیان باطلہ پر غالب ہونے کے لئے نازل کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله، و لو کره المشرکون۔ (التوبہ۔ ۳۳) **ترجمہ:** وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تا کہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔

اور اسی بات کو زبان نبوت اس انداز میں بیان فرماتی ہے: عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللَّهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا يُذِلُّ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ۔ (مسند احمد) **ترجمہ:** حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ دین ہر اس جگہ تک پہنچ کر رہے گا جہاں دن اور رات کا چکر چلتا ہے اور اللہ کوئی کچا پکا گھر ایسا نہیں چھوڑے گا جہاں اس دین کو داخل نہ کر دے، خواہ اسے عزت کے ساتھ قبول کر لیا جائے یا اسے رد کر کے ذلت قبول کر لی جائے، عزت وہ ہو گی جو اللہ اسلام کے ذریعے عطاء کرے گا اور ذلت وہ ہو گی جس سے اللہ کفر کو ذلیل کر دے گا۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: الاسلام یعلو ولا یعلی علیه۔ لہٰذا دین اسلام زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات میں اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ نافذ العمل ہو گا، اور زندگی کے کسی پہلو میں بھی اس کو معطل نہیں رکھا جائے گا، اور اس دین کو مکمل نافذ العمل بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی، کیونکہ یہ دین اس لئے ہر گز نازل نہیں کیا گیا ہے کہ چند انفرادی اعمال و عبادات میں نافذ العمل کیا جائے اور بقیہ پوری زندگی سے اس کو معطل کر دیا جائے بلکہ یہ دین جس طرح عبادات کے احکامات بیان کرنے میں بااختیار ہے اس طرح سیاسی و معاشی معاملات میں بھی خود کفیل ہے، اور اس کو کسی باطل نظام کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

غلبہ دین کا طریقہ - قاتلوا هم حتیٰ لا تکون فتنة

جیسا کہ بیان ہوا کہ اس دین کو نافذ العمل بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی، اور جب غلبہ دین کی راہ میں اگر کوئی قوت رکاوٹ ہو تو اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کفر کی شان و شوکت کو خاک آلود کرنے کے لئے قتال فی سبیل اللہ کو فرض فرماتا ہے، تا کہ اس قوت کا قلع قمع کر کے پوری انسانیت کو اسلام کے عادلانہ نظام کے تحت زندگی گزارنے کا موقع

ملے۔ قران مجید میں اس بات کو اس انداز میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:و قاتلوا ھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔(البقرہ۔۱۹۳) **ترجمہ:** اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے

حضرات مفسرین نے فتنہ کی تفسیر ''شرک باللہ'' سے فرمائی ہے۔

جیسا کہ صاحب تفسیر طبری فرماتے ہیں: حتی لا تکون فتنہ۔۔۔یعنی ۔۔لا یکون شرک باللہ۔ ترجمہ:یعنی اللہ کے ساتھ کوئی شرک باقی نہ رہے۔اسی طرح یکون الدین کلہ للہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اما الدین ''فھو العبادہ والطاعۃ للہ فی امرہ و نہیہ۔ترجمہ: دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے اوامر نواہی کو ماننا ہے۔

اس عنوان کو نبی کریم ﷺ نے ان کلمات میں بیان فرمایا کہ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ (متفق علیہ) **ترجمہ:** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہیں جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اس نے مجھ سے اپنا جان ومال بچالیا مگر کسی حق کے عوض اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

اس مقام پر ناقدین جہاد اور قاعدین عن القتال کی جانب سے ایک انتہائی خستہ اور بودہ اعتراض اور تاویل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ''اللہ اپنے دین کے مخالفین کو اپنی قدرت سے ختم فرمادے گا لہذا ان سے ٹکراؤ پیدا کرنا عقل کے منافی ہے''۔ ہم ان حضرات کی خدمت میں سب سے پہلے یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ''دیننا مبنی علی النقول لا علی مناسبۃ العقول ''لہذا ہماری عقل قتال فی سبیل اللہ کی راہ کو تسلیم کرے یا نہ کرے اس حکم کی تعمیل کرنا مسلمانوں پر واجب العمل ہے۔ دوسری جانب اللہ جل شانہ مسلمانوں کو اس آیت کریمہ کے ذریعے آگاہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کفار کو عذاب میں مبتلا کرے گا جیسا کہ سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا:وقاتلوا ھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخذھم وینصرکم علیہم ویشف صدور قوم مومنین۔(التوبہ۔۱۴) **ترجمہ:** ان سے جنگ کرو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رسوا کرے، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے۔

پس جو بھی مسلمان صدق دل سے غلبہ دین کے معاملے میں سنجیدہ ورنجیدہ ہے اس کے لئے مسلح جدوجہد یعنی قتال فی سبیل اللہ کے راستے کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اللہ کی نصرت کا وعدہ، اور کفار کی شان وشوکت کا ٹوٹنا قتال فی سبیل اللہ سے مقید ہے۔ اس منہج کے علاوہ بقیہ تمام طریقے اور جمہوری انداز کفار اور منافقین کی جانب سے ایک دجل وفریب ہے۔

ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں مسلمانوں نے غلبہ دین کے لئے قتال فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کی ہو۔

دین اسلام کا شاندار ماضی - ۱۳ سو سالہ خلافتِ اسلامیہ

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے لیکر آج تک اللہ تعالی نے اس امت میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے ہیں جو اس دین کے تمام احکامات کو نافذ العمل کرنے کے لئے ہر میدان میں بر سر پیکار رہے۔ اور اس دین کی تمام تر فتنوں اور کفار و منافقین کی جانب سے ہونے والی سازشوں سے حفاظت کرتے رہے اور ان شاء اللہ ظہور مہدی ونزول عیسیٰؑ تک کرتے رہے گے۔ ان رجال کار میں بعض کو اللہ جل شانہ نے دعوت وارشاد میں اعلی مقام عطا فرمایا، بعض کو وعظ و نصیحت میں عمدہ صفات نے نوازا ۔ کسی کو تدوین احادیث و تدوین فقہ کے لئے مقرر کیا تو کسی کو دین مخالف تحریکات کو کچلنے اور ان کی سرکوکے لئے پیش پیش رکھا۔ الغرض دین اسلام کی ہر اعتبار سے حفاظت فرمائی، اور شریعت اسلامیہ کی وہ تشریحات و توضیحات من و عن نقل ہوتی رہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مروی و منقول ہیں۔ اور دین اسلام کے شرائع اور شعائر کی حفاظت کیونکر نہ ہو کہ اس دین کا حقیقی محافظ تو خود رب کائنات ہے۔ بہر حال امت مسلمہ خیر القرون کے زمانے سے جس قدر بعید ہوتی گئی اس کے اندر دین سے مضبوطی سے چمٹنے میں کمزوری کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ اور اس کے علم و عمل میں انحطاط واقع ہوتا چلا گیا، اور ایک جانب کفار ومنافقین کی سازشوں میں اضافہ ہوتا گیا اور دوسری جانب حکومت اسلامیہ میں جزوی کمزوریاں پیدا ہو گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں سے ان کی اسلامی حکومت خلافت اسلامیہ کو بھی چھین لیا گیا۔

خلافت عثمانیہ کے سقوط اور برصغیر میں انگریز کے تسلط کے بعد دین اسلام کو مکمل معطل کر دیا گیا، اسلامی نظام حکومت کی جگہ جمہوری کفری نظام کو نافذ کر دیا گیا، اسلام کے پاکیزہ نظام تعلیم کی جگہ لارڈ میکالے کا فرسودہ تعلیمی ڈھانچہ رائج کر دیا گیا، اور جدید سودی نظام معیشت کو اسلام کی عادلانہ معیشت کے مقابل کھڑا کیا گیا۔ اور حاکمیت اعلیٰ کا حق اللہ جل شانہ کی شریعت کے بجائے مخلوق میں بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا گیا۔ اور اس بدترین ظالمانہ نظام جمہوریت کو مسلمانوں کے اوپر جبراً مسلط کیا گیا اور مسلمانوں پر اس کی پابندی طوعاً و کرھاً لازم قرار دی گئی۔ اور جب امت مسلمہ انسانوں کے اس تخلیق کردہ نظام حکومت کے ظالمانہ و جابرانہ طرز عمل سے بیزار ہوئے اور اس امت نے اس نظام کے دجل و فریب سے باہر نکل کر اسلامی متفکرانہ انداز اپنایا۔ اور اس امت کے سامنے امید کی نئی کرن امارت اسلامیہ اور عالمی جہادی تحریک سامنے آئی تو اس امت کے اندر نئی روح بیدار ہوئی جس نے مایوس اذہان پر نیا جوش و جذبہ پیدا کیا۔ اور امت مسلمہ ایک مرتبہ پھر اپنے

کھوئے ہوئے مقام کو پانے کے لئے میدان عمل میں آنا شروع ہو گئی۔تو کفار و منافقین کو اپنی تمام تر کاوشوں اور مکاریوں کو ناکام ہونا محسوس ہوا۔۔

اور اس مرتبہ کفارو مشرکین نے اپنے آلہ کار منافقین کو یہ پروگرام اور یہ ھدف دیا کہ وہ امت مسلمہ کے درمیان جہاد مخالف تحریکات کی بھرپور اعانت کریں اور جہادو مجاہدین کی کردار کشی کرنے اور منہج جہاد کو بدنام کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کریں۔اور منہج جہاد کو بدنام کرنے کی ایک ناکام سعی داعش جیسی تحریکات کو پروان چڑھانا ہے۔اور اسی طرح ان منافقین و مرتدین کو یہ کام بھی خصوصی طور پر سونپا گیا کہ جہاد مخالف سرگرمیوں کو اسلامیانے کی بھرپور کوشش کی جائے تاکہ امت مسلمہ جہادو قتال فی سبیل اللہ کے عنوان سے تذبذب اور شکوک وشبہات کا شکار رہے۔اگر خاص برصغیر کے تناظر میں بات کی جائے تو حکومت پاکستان کی وہ ناکام وبدنام کوشش سرفہرست ہے جو اس منافق حکومت کی جانب سے متفقہ اعلامیہ کی صورت میں سامنے آئی۔اس اعلامیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس منافق حکومت نے اپنے مذموم عزائم پورا کرنے کے لئے اور جہاد و مجاہدین کو بدنام کرنے اور قتال فی سبیل اللہ کی راہ کو مشکوک بنانے کے لئے ہمارے محبوب علماء کرام کو ڈرا دھمکا کر اور حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے ان علماء کی تائید اپنے دجل سے کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔بہر حال کفار و منافقین جس قدر دجل و فریب اور جھوٹ و مکر کا سہارا لیں حقائق مخفی نہیں رہ سکتے،بلکہ انشاء اللہ ماضی کی طرح ایک بار پھر اپنے نفاق وارتداد کا اعلان اپنی ہی زبانوں سے کریں گے جیسا کہ ماضی قریب میں جنرل عامر نے اعترافات کئے تھے۔

اس موقع پر مجاہدین جو کہ امت مسلمہ کا جزء اور حصہ ہیں یہ دعوت دیتے ہیں کہ اس طرح کے اعلامیوں اور سازشوں سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کیجئے،اور غلبہ دین کی جو راہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین نے مسلح جد وجہد کی صورت میں اختیار کی ہے،وہ ہی ہم سب کے لئے مشعل راہ اور ذریعہ نجات ہے۔اس کے علاوہ باقی سب دھوکا اور مکر فریب ہے۔تو آیئے اس موقع پر امارت اسلامیہ اور عالمی جہادی تحریک کی دعوت پر لبیک کیجئے اور خصوصاً علماء کرام کی خدمت میں گزارش بھی عرض کرتے ہیں کہ یہ مجاہدین آپ کی دعاؤں اور تائید کے منتظر ہیں،اور یہ مجاہدین ایک عرصے سے شہید مفتی نظام الدینؒ جیسے مربی و مصلح کی تلاش میں ہیں۔جو مجاہدین کے قلوب پر اپنوں کی جانب سے لگے زخموں کا مداوا کرے۔

قسط:۱

اتحاد امت (سورۃ الحجرات کی روشنی میں)

تالیف: مولانا ڈاکٹر امجد قاسمی ندوی

تلخیص: مولانا ابو مجالد ہندی

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اتحاد واتفاق اوراجتماعیت ایسی طاقت ہے کہ اگر اس میں ایمان کی قوت بھی شامل ہو جائے تو نا قابل تسخیر ہو جاتی ہے۔ آج ہمارے زوال کا ایک سبب اتحاد کا فقدان ہے۔ اگر اہل اسلام حقیقی معنی میں کلمۃ اللہ پر متحد ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں۔ پوری امت کے اتحاد کا مسئلہ اپنی جگہ ہے، آج تو ہم میں سے چار لوگ بھی کسی کو کام سرانجام دینے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو اختلاف وافتراق کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ اور بہت سارے عظیم کاموں کو اس اختلاف وانتشار نے دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ چند لوگ مل کر کوئی کام کر رہے ہوں، ایک جماعت ہو یا ایک پورا معاشرہ ہو اس اختلاف وانتشار کی وجہ سے شدید پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ ان اختلافات کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اور ان سے بچنے کے لیے کچھ اصول ہیں۔ اگر ان اسباب کو پہچان کر ان کے تدارک کی کوشش کی جائے اور اصولوں کو سیکھ کر ان پر کاربند رہا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ دین کی سعی میں مصروف لوگوں کے لیے اور پوری امت مسلمہ کی اجتماعی سوچ رکھنے والوں کے لیے اختلاف وانتشار کے ان اسباب کو پہچاننا اور اتحاد واتفاق کے اصولوں کو جاننا اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الحجرات میں اہل اسلام کو اس موضوع پر تفصیلی رہنمائی ملتی ہے۔

مولف کی یہ کتاب "اتحاد امت" اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، اس کتاب میں سورۃ الحجرات کی روشنی میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہاں اس کتاب کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔ تلخیص میں کوشش ہو گی کہ اس موضوع کو بالکل آسان، عام فہم اور مرتب انداز میں پیش کیا جائے۔

ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کی کیا حالت تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کیسے جنگیں چھڑ جایا کرتی تھیں جو صدیوں تک جاری رہتیں اور پھر بعثت نبوی کے بعد وہی لوگ جب اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تو ان کی بھائی چارے کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ ان کی اجتماعیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا۔ یہ مٹھی بھر

لوگ تمام دنیا پر بھاری ہو چکے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی طاقت نا قابل تسخیر بن چکی تھی۔ نا قابل تسخیر ہونے کی بڑی وجہ دینِ حق کی پہچان، اس پر استقامت اور باہمی وحدت اور اجتماعیت تھی۔

دین واسلام کو پہچان لینے کے بعد یہ وحدت واجتماعیت ہی وہ عنصر ہے جس کی بدولت کوئی قوم یا ملت غلبہ واستحکام اور امن امان پاسکتی ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ الحجرات کا اکثر حصہ اسی موضوع پر ہے جس میں وہ تمام بنیادی اور ضروری ترین اصول بیان کر دیے گئے ہیں جنہیں سمجھنے کے بعد عمل پیرا ہونے کی صورت میں وحدت واجتماعیت کو قائم رکھا جاسکتا ہے اور باہمی اختلاف ونزاع سے بچا جاسکتا ہے۔ یہ اصول دیکھنے میں بہت سادہ اور عام سے محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر ان کی گہرائی پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہی وہ اصول ہیں جن کو اپنا کر اشخاص، جماعتیں اور اقوام اختلاف ونزاع سے بچ کر وحدت واجتماعیت کی دولت سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

ان اصولوں میں اتنی جامعیت ہے کہ ان کی ضرورت وافادیت پر غور کیا جائے تو ان کا تعلق ہر مسلمان کی ذاتی زندگی سے بھی ہے اور یہ اصول سیدھے اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس سورۃ میں مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کے جو اصول بیان ہوئے ہیں ان میں پہلے مرحلے میں دو باتیں بتائی گئی ہیں۔

1. افواہوں کی روک تھام کا انتظام کیا جائے اور کسی بھی بات پر قطعی فیصلے یا عملی کاروئی سے پہلے مکمل عادلانہ تحقیق کا اہتمام کیا جائے۔
2. دو فریقوں میں نزاع اور لڑائی جھگڑے کی صورت میں ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کو بچایا جائے اور ایمانی اخوت کی بنیاد پر صلح کی ہمدردانہ کوشش کی جائے۔

دوسرے مرحلے میں ان چھ برائیوں کو بیان کی گیا جن کی وجہ سے عام طور پر دو اشخاص یا جماعتوں میں الفت ومحبت کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے اور نفرت وعداوت کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اختصار کے ساتھ بالترتیب ایک ایک کرکے ان سب اصولوں پر بات کی جائے۔

پہلا اصول؛ افواہوں اور خبروں کی تحقیق ضروری ہے:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (سورۃ الحجرات:6)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچادو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔"

یہ حکم مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اصول کی وضاحت میں چند اہم نکات پیش خدمت ہیں۔

- کسی بھی سنی سنائی بات کو کبھی آگے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ سنی سنائی باتیں بعض اوقات جھوٹی ہوتی ہیں، افواہ بن کر مشہور ہو جاتی ہیں اور بہت نقصان کا باعث بنتی ہیں، بلکہ حدیث میں ایسے شخص کو جھوٹے لوگوں کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے جو سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنے کا عادی ہو۔ "نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔" (صحیح مسلم: 5)

- اللہ تعالی نے قرآن کریم کی ایک آیت میں منافقین کی یہ علامت بیان کی ہے کہ ان کے پاس جب کوئی خبر آتی ہے تو اس کو بغیر تحقیق کے پھیلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ذمہ دار لوگوں کی طرف رجوع کرنے کے بغیر سنی سنائی خبر پھیلانے کو بھی نا پسند کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ-وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (سورة النساء : 83)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں یہ لوگ اگر اس خبر کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ یا با اختیار لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ان میں جانچ پڑتال کرنے والے لوگ ضرور اس کی حقیقت جان لیتے۔

- جب افواہ پھیلانے اور سنی سنائی بات بیان کرنے سے اتنی سختی سے منع کیا گیا ہے تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہو گا کہ سنی سنائی بات پر کوئی کاروائی کر لینا کتنا خطرناک ہو گا۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ محض افواہوں کے بنیاد پر کبھی بھی کوئی کاروائی نہ کی جائے۔ کہیں سے کوئی خبر آئے تو خوب تحقیق کے بعد عملی اقدام کیا جائے۔ بغیر تحقیق کے محض افواہوں اور خبروں پر عملی اقدام کیا جائے تو خطرہ ہے کہ دوسرے کو بلاوجہ نقصان پہنچ جائے اور حقیقت واضح ہونے پر خود ندامت اٹھانی پڑے۔

(جاری ہے)

قسط:۱

اقامتِ نظامِ خلافت

مولانا محمد زاہد اقبال

نظامِ خلافت کے قیام کے بغیر فرائض الٰہیہ اور احکامِ شریعت پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے فرائض دین میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"یحب ان یعرف ان ولایة امر الناس من اعظم و جبات الدین بل لا قیام للدین ولا للدنیا الّا بها"
(السیاسة الشرعیه: ص ۱٦۱)

"یعنی یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی وریاستی) معاملات کے لئے ولایت (خلافت و حکومت) دین کے فرائض میں سے سب سے بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا (کے امور) کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔"

فرائض دین میں سے سب سے بڑا فریضہ ہونے کا مفہوم واضح ہے کہ دیگر فرائض کی ادائیگی اسی بڑے فریضہ کی ادائیگی سے وابستہ ہے اور اس کے بغیر دوسرے فرائض کا قیام نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا اسلامی نظامہائے عبادات، عدالت، اقتصاد، اجتماعیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد وغیرہ کا قیام خلافت و حکومت کے بغیر ممکن ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

" ولانّ الله تعالیٰ او جب الامر بالمعروف و النهی عن المنکر ولا یتمّ ذلک الاّ بقوةٍ و امارةٍ و کذلک سائر ما اوجبه من الجهاد و العدل وإقامة الحج و الاعیاد ونصر المظلوم و إقامة الحدود لا تتم الاّ بالقوة و الإمارة۔" (مجموعة فتاویٰ لابن تیمیه رحمه الله : ۳۹۰/۲۸)

"یعنی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے اور یہ طاقت اور امارت کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج وجمعہ اور عیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور حدود کا قیام، طاقت اور امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں۔"

ایک اشکال کا جواب:

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فرائض دینیہ کی ادائیگی کے لیے حکومت و اقتدار کی ضرورت نہیں اور یہ کہ اسلام حکومت کا محتاج

نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ انفرادی احکام کو بجالانے میں اقتدار کی ضرورت نہیں ہے لیکن جیسا کہ ہم امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ اجتماعی فرائض واحکام کی ادائیگی کے لیے حکومت وریاست کا قیام ضروری ہے۔ اس کے بغیر اسلامی احکامات وتعلیمات کے مقاصد کو کماحقہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ نظامِ خلافت کے قیام سے ہی مسلمانوں کا ایمان وعمل محفوظ ہوتا ہے اور اسلامی تعلیمات پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہوتا ہے۔ نظامِ خلافت کے سقوط سے امتِ مسلمہ کے اندر جس قدر ایمان کمزور ہوتا، دین سے وابستگی میں کمی آتی اور فکری ونظریاتی بے اعتدالی اور گمراہی پھیلتی ہے، اس کا مشاہدہ عصرِ حاضر میں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے خلافت کے قیام کو فرض قرار دیا ہے۔

احیاءِ خلافت کے لئے عملی جدوجہد کی حیثیت

قرآن وسنت اور کتبِ فقہ میں خلافت کی حیثیت واہمیت سے متعلق واضح احکام موجود ہیں، متقدمین نے اس بنیادی فریضے کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے تحفظ وبقا اور دنیوی ودینی اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے خلافت کا قیام از حد ضروری ہے جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اقامتِ خلافت جس قدر ضروری ہے، خلافت کے احیاء کے لئے عملی جدوجہد بھی اسی قدر ضروری ہے کیونکہ خلافت کا قیام منظّم ومرتب اور ٹھوس لائحہ عمل پر مبنی انقلابی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا "مقدمة الواجب واجبة" (واجب کا حصول جس چیز پر موقوف ہو، وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے) کے اصول کے تحت احیاءِ خلافت کے لئے باقاعدہ ایک جماعت اور تحریک کی شکل میں جدوجہد کرنا بھی فرض اور اس سے غفلت ولاپرواہی اختیار کرنا اس اہم فریضہ کو ترک کرنا ہے۔

دوسری بات یہ کہ جس طرح نظامِ خلافت کے قیام سے تمام فرائض دینیہ اور احکامِ شریعت پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح احیاءِ خلافت کی جدوجہد دیگر دینی جزوی امور کے لئے جدوجہد کی بھی متضمن ہے کیونکہ جب خلافت کا قیام ہو جائے گا تو نظامِ خلافت تمام دینی اجتماعی امور کی انجام دہی اور نگرانی کا خود ذمہ دار ہوگا اور ریاست ہی تمام دینی معاملات کو سنبھالے گی۔ خواص وعوام کی کسی دینی امر کی انجام دہی، کسی عقیدے کے تحفظ یا کسی فریضے کی ادائیگی کے لئے کسی مطالبے، اپیل، ہڑتال، جلسے، جلوس یا احتجاجی تحریک کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ خیر القرون اور بعد کا زمانہ مذکورہ بات پر شاہد ہے کہ مختلف اوقات میں اٹھنے والے تمام فتنوں اور سازشوں کے خلاف خلافت نے از خود اقدام کیا ور ان کی سرکوبی کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے زمانہ خلافت میں فتنہ ارتداد کے خلاف اقدام اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوارج کے خلاف کارروائی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ بعد کے زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔

ہمارے اکابر نے تحفظِ ناموسِ رسالت، تحفظِ ناموسِ صحابہ اور دیگر امور کے لئے لازوال قربانیاں دی ہیں حتیٰ کہ ان مقدس مقاصد کے لئے اپنا قیمتی خون بھی پیش کیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اسلامی نظامِ خلافت کا وجود نہیں ہے۔ اگر خلافت کا وجود ہوتا تو حکومت خود ہی ان امور کو انجام دیتی اور تحریکوں اور جماعتوں کے قیام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اب جبکہ نظامِ خلافت قائم نہیں ہے تو ان تحاریک اور جماعتوں کا قیام ضروری ہے وہ بحمد اللہ ایک طویل عرصے سے ان مقدس مشنوں کو سنبھالے ہوئے اور اس کے لئے شب و روز کوشاں ہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ساتھ احیاءِ خلافت جو کہ تمام مسائل کا حل ہے، کے لئے کی جانے والی عملی جدوجہد میں کسی بھی صورت میں شرکت کی تو نہ صرف اقامتِ خلافت کی منزل آسان ہو جائے گی بلکہ خلافت کے قیام کے ساتھ ہی وہ دینی اجتماعی امور جن کی ادائیگی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، اک معاملہ بھی ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا حکومت ہی تمام دینی فرائض کی ادائیگی کا نظام سنبھال لے گی اور تمام فتنوں کا سدِباب کرے گی۔ علماء کرام، مسلمان عوام سمیت اپنی صلاحیتیں دیگر دینی شعبوں میں صرف کر سکیں گے۔ الغرض تمام دینی و دنیوی مسائل اور برائیوں کی جڑ نظامِ خلافت کا قائم نہ ہونا ہے اور اسی کے قیام سے ہی تمام مسائل کا حل ہو جائے گا۔

احیاءِ خلافت اور منہج نبوی

نبی اکرم ﷺ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں عرب کے کفر و شرک کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے معاشرے میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ کئی صدیاں دنیا کے مختلف حصوں پر اسلامی نظامِ حیات نافذ رہا۔ پھر رفتہ رفتہ امتِ مسلمہ اسلامی اصولوں سے ہٹتی چلی گئی، ان کی حکومتیں کمزور ہو گئیں اور اغیار ان پر غالب آنے لگے۔ گزشتہ صدی کے پہلے ربع میں آخری اسلامی حکومت "خلافتِ عثمانیہ" کا بھی سقوط ہو گیا۔ اب پھر اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آئے گا؟ اسلامی نظام کا نفاذ و اجراء کیسے ہو گا؟ آئندہ سطور میں ہم اسی سوال کا جواب پیش کرنا چاہتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قوم مسلمان ہے۔ کون سا ایسا خطہ ہے جہاں ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ نہ ڈھائے جا رہے ہوں؟ بغداد سے لے کر کشمیر تک اور قندھار سے لے کر القدس تک انہی کا خون بہایا جا رہا ہے۔ غلامی و محکومی انہی کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ سامراجی طاقتیں انہی کے وسائل و دولت پر قبضے کے لئے جارحیت کرتی اور انہیں خاک و خون میں تڑپاتی ہیں۔ ان کا کوئی مرکز ہے اور نہ ایک خلیفہ اور امیر المؤمنین ہے بلکہ ان کی اسلامی حکومت دنیا کے کسی بھی خطے میں نہیں ہے۔

الغرض مسلمان تقریباً۸۵ سال سے اعتقادی روحانی، نظریاتی، سیاسی، عسکری اور اقتصادی اعتبار سے مکمل طور پر زوال پذیر ہیں[1]۔

موجودہ حالت کا سبب

جب تک مسلمانوں کا ایمان ویقین مضبوط رہا اور وہ دین پر عمل پیرا رہے، زندگی کا مقصد ان کے پیش نظر رہا، زندگی کے ہر پہلو میں اسلامی تعلیمات کو اپنایا، انفرادی اور اجتماعی سطح پر قرآنی ضابطۂ حیات پر کاربند رہے، ریاستوں کے اندر قوانین شریعت کا بول بالا تھا، رعایا سے خلیفہ تک ہر فرد ان قوانین کا پابند تھا، عوام کو عدل و انصاف بآسانی فراہم ہوتا تھا، پوری دنیا کے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آخری دین اور نظامِ زندگی کو پہنچانا ہر فرد اپنا فریضہ سمجھتا اور اس کے لئے جان ومال اور وقت کی قربانی دیتا تھا تو دین اسلام تمام ادیانِ باطلہ پر غالب تھا، نظامِ خلافت کے سائے تلے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ذمی بھی امن و سکون اور آزادی کی زندگی گزارتے تھے۔ مسلمان دینی، روحانی، سیاسی، عسکری، اور اقتصادی طور پر مضبوط اور ترقی کی جانب گامزن تھے۔ کفریہ طاقتیں کسی بھی حوالے سے ان کو چیلنج کرنے کی سکت نہ رکھتی تھیں۔

پھر جب مسلمانوں کی دین سے وابستگی کمزور ہوگئی، قرآنی تعلیمات کو ترک کیا جانے لگا، عیش و عشرت کی زندگی عام ہو گئی، جذبۂ جہاد سرد اور دین اسلام کی اشاعت کے جذبات ختم ہوگئے، مسلمان حکمران نااہل، امورِ سلطنت سے غافل اور عیش کوشی میں شب وروز گزارنے لگے تو اسلامی سلطنتیں، اضمحلال و انحطاط کا شکار ہونے لگیں۔ نظامِ خلافت کمزور ہوتا گیا تو اغیار نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنتوں کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کردیں۔ کفر ہر لحاظ سے مضبوط تھا اور اہل ایمان اپنی طاقت و قوت کھو چکے تھے اس لئے وہ کفر کے آگے ٹھہر نہ سکے اور شکستوں پر شکستیں کھانے لگے۔ آخر کار اسلامی سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتی چلی گئیں۔ اندلس کی سلطنت کا سورج غروب ہوگیا۔ 1857ء میں مغلیہ سلطنت مکمل طور پر انگریز کے ہاتھوں میں چلی گئی اور بیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد ترکی کی خلافتِ عثمانیہ ختم ہوگئی۔ تب سے مسلمانوں پر ہر پہلو سے زوال آچکا ہے۔ جب تک نظامِ خلافت قائم رہا تو اسلامی قوانین نافذ رہے اور اسلام کا اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، عدالتی اور عسکری نظام (نظامِ جہاد) قائم رہا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ تھے، ان کا دنیا میں سیاسی، عسکری اور اقتصادی غلبہ تھا۔ ایک مرکز اور ایک خلیفہ تھا، ان میں اتحاد و اتفاق تھا۔ پورا

1۔ یہ تحریر تقریباً ۱۲/۱۳ سال پرانی ہے، جب امارت اسلامیہ افغانستان پر امریکی حملہ جاری تھا۔ آج الحمد للہ امارت اسلامیہ کے دوبارہ قیام کے بعد امت مسلمہ کو ایک مرکز میسر آگیا ہے، لیکن ابھی بھی امت مسلمہ کو خلافت کے قیام لیے مزید جدوجہد کرنا ہوگی۔ ادارہ

معاشرہ اسلامی تعلیمات کی عکاسی کرتا تھا، لیکن نظامِ خلافت کے انہدام کے ساتھ ہی ان کا نظامِ حیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا اور وہ تنزلی کی گہری کھائیوں میں گرتے چلے گئے۔

موجودہ حالت کا حل

امتِ مسلمہ کے زوال کا جو سبب ہے اس کو دور کر دیا جائے تو امتِ مسلمہ ترقی و عروج حاصل کر سکتی ہے۔ چونکہ اس کے اسباب میں سے سب سے اہم اور بنیادی سبب اسلامی نظامِ حیات کا خاتمہ ہے، لہٰذا جب تک اسلامی نظامِ حیات قائم نہیں ہوتا تب تک امتِ مسلمہ زوال سے نہیں نکل سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان نظامِ حکومت قائم نہیں کرتے اور اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہوتا تب تک امتِ مسلمہ موجودہ حالت سے باہر نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی دنیا میں منتشر اور بکھری ہوئی امت متحد ہو سکتی ہے۔ امت کے زوال کا یہ واحد حل ہے، جسے ہم آئندہ سطور میں سیَر کی روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں خلافت یعنی اسلامی حکومت قائم کرنے کا وہی طریقہ یا منہج اختیار کرنا لازم ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنایا ہے۔ نبوی طریقہ کار ہی اسلامی انقلاب کا اصل منہج اور راستہ ہے۔ نبوی منہج کے علاوہ کوئی بھی طریق کار نہ تو اسلامی ہے اور نہ اس سے اسلامی نظام خلافت کی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ماضی میں اسلامی نظامِ حیات کے قیام کے لئے کئی طریقے و مناہج بروئے کار لائے گئے ہیں لیکن خلافت کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔ جس کی بڑی وجہ ان کا غیر اسلامی ہونا اور قرآن و سنت کے مطابق نہ ہونا ہے۔ ہم یہاں اجمالاً نبوی منہج کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس سے اسلامی طریق انقلاب واضح طور پر سامنے آئے گا اور ان طریقوں اور مناہج کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی جو نظام خلافت کے قیام کے لئے بروئے کار لائے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(1) دعوت (2)تربیت (3)ہجرت (4)نصرت (5)عسکریت

یعنی آپ کی انقلابی تحریک کے پانچ مراحل ہیں، جن سے گزر کر آپ ﷺ نے انقلاب کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور غارِ حرا میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ یہیں سے آپ ﷺ کی نبوت کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ پہلی وحی تھی جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے مرحلے میں آپ نے کفر و شرک کے معاشرہ میں توحیدِ الٰہی کی دعوت شروع کی۔ دعوتِ خاصہ و عامہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا۔ دوسرے مرحلے میں دعوت قبول کرنے والے افراد کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اجتماعی تعلیم و تربیت کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دار الارقم میں جمع فرمایا۔ جب دعوت کا دائرہ کچھ وسیع ہوا اور لوگ اس فکر اور

نظریے کو دل و جان سے قبول کر کے آپ ﷺ کی اتباع کرنے لگے تو مشرکین مکہ نے ردِ عمل کے طور پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیے تو تیسرے مرحلے میں ہجرت کو اختیار کیا گیا تاکہ ارکانِ تحریک کا دین و ایمان محفوظ رہے اور احکامِ اسلامی پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہوا جائے۔ چنانچہ حبشہ جیسے بعید ملک کی طرف ان کو ہجرت کرنا پڑی۔ چوتھے مرحلے میں آپ ﷺ نے دعوت کا دائرہ مزید وسیع کرتے ہوئے طلبِ نصرت شروع کی۔ آخر کا یثرب کے انصار کو یہ شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نصرت و تعاون اور ایثار کی لازوال مثال قائم کی اور دینِ اسلام کی سربلندی کا سبب بنے۔ بالآخر آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی نظامِ حیات کی بنیادیں رکھ دیں۔

اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے غزوات کا سلسلہ شروع کر کے اس کو وسیع کرنا شروع کیا۔ اس پانچویں مرحلے میں آپ ﷺ نے فتح مکہ کے ساتھ پورے جزیرۂ عرب پر دین اسلام کا علَم لہرا دیا۔ پھر دین اسلام کو عالمی سطح پر غالب کرنے کی جو ابتداء آپ ﷺ نے کی تھی اس کی تکمیل آپ ﷺ کے جانشین خلفاء رضی اللہ عنہم نے کی۔ صدیوں تک اسلامی نظام نافذ رہا۔ اہل اسلام کی دین سے دوری، اوامر کے مٹنے اور منکرات و منہیات کے رواج پانے اور عیش کوشی کی وجہ سے اسلامی نظام آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونا شروع ہوا۔ آخر کار خلافتِ عثمانیہ بھی غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی غفلت و نااہلی کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ تب سے آج تک دنیا کے کسی خطہ میں مکمل اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکا ہے۔ البتہ ماضی قریب میں ۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۱ء افغانستان میں طالبان کی قائم کردہ امارتِ اسلامی کو اس سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

(جاری ہے)

قسط ۳:

سیکولرازم(لادینیت)...تعارف، تاریخ اور شرعی حکم

از: قاری عبید اللہ منصور

▪ یورپ میں سیکولرازم

سیکولرازم ایک سوچ اورانداز فکر کانام ہے جو ایسے مضامین سے بحث کرتا ہے جن میں راہنمائی اس سے قبل انسانوں کو صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہی سے ملتی تھی۔مثال کے طور پر انسان کون ہے ؟انسان کیوں پیدا کیا گیا؟انسان کیسے پیدا ہوا؟کیا دنیا میں انسان کے پاس اپنی مرضی سے کام کرنے کا اختیار ہے یا نہیں ،اگر ہے تو کتنا ہے؟اس کائنات کو کس لئے پیدا کیا گیا؟اس کائنات کا خالق کون ہے؟اس کائنات کے مالک کی مرضی کیا ہے انسان مرتا کیوں ہے اور مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟کیا انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گا یا ختم ہو جائے؟ان سوالات کے جوابات صرف انبیاء کرام وحی کی بنیاد پر دیتے تھے یہ وحی خود خالق کائنات کی طرف سے ان سوالات کا جواب ہوتی تھی،لیکن جب ان سوالات کے جواب کی تلاش میں انسان انبیاء کی جگہ اپنے ہی جیسے انسان پر انحصار شروع کر دے تو اس سے لادینیت ہی جنم لیتی ہے،یہاں علم وحی کی جگہ عقل انسانی لے لیتی ہے اوران سوالات کا جواب دینے کیلئے انبیاء کی بجائے فلسفی لے لیتے ہیں ،سیکولرازم یعنی لادینیت بظاہر آسان نظر آنے والے اِس لفظ نے اپنے اندر انتہائی پیچیدہ فلسفہ سمور کھاہے جسے مغربی علماءِادیان خود ایک مستقل دین کا درجہ دیتے ہیں گویا یہ دینِ لادینیت ہے ،یہ پیچیدگی ہی اسکی خامیوں میں سے ایک بڑی خامی ہے،اس پیچیدگی کی چند وجوہات ہیں۔

- یہ انسان کی اس ناقص عقل کا شاہکار ہے جس کا دعویٰ ہیکہ وہ خدا سے بڑھ کر علم وفہم کی مالک ہے یعنی نعوذ باللہ خود خدا ہے اس لحاظ سے آپ اسے الہامی دین کی بجائے انسانی دین کہہ سکتے ہیں۔
- یہ صرف ایک ناقص عقل ہی نہیں بلکہ مختلف زمانوں کی مختلف عقول ناقصہ کا مجموعہ ہے۔
- اس دین کے فلسفی پیغامبر محض ناقص العقل ہی نہ تھے بلکہ اخلاق سے بھی عاری تھے۔

- یہ ایک زمانہ میں تشکیل نہیں پایا بلکہ ۵۰۰ سال قبل مسیح کے رومی ویونانی مشرک معاشرے کی کوکھ سے جنم لیکر دوہزار سال بعد از مسیح تک کے طویل عرصے میں بہت سی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ شکل میں ڈھلا اوراب بھی مستقل ارتقاکے مراحل میں ہے اس اعتبار سے یہ مستقل ارتقاپذیر دین ہے۔
- اس کے ارتقاکاسب سے بڑا سبب مذہب ومعاشرے کے خلاف ردعمل تھا اس لحاظ سے اسے ردعمل کا دین بھی کہہ سکتے ہیں۔

سیکولرازم کی سب سے مقبول قسم جس نے اس دور میں یورپ میں اپنی جگہ بنائی اور سیکولرازم کے مترادف سمجھی جانے لگی وہ ہیومن ازم یادین انسانی ہے یہی آج کی لادینیت کی بنیاد ہے اور یہی وہ فکر ہے جس نے یورپ کے عوام، خواص اوریونیورسٹیوں میں جنم لیااور یہی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہے۔

فکری تبدیلیاں

- ہیومن ازم Humanism

نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں یورپ میں جو فکری تبدیلیاں رونماہوئیں ان میں ایک یونان کاقدیم فلسفہ ہے جس میں عقل انسانی کو علم وحی پر مقدم ثابت کیاگیا تھا ان کے فلسفہ کے مطابق انسانی مسائل کو مذہب اور علم وحی کی بجائے محض عقل انسانی سے حل کیاجائے چوتھی صدی عیسوی میں پادری سینٹ آگسٹین نے اس نظریہ کو شکست دی تی تھی ایک ہزار سال تک یہ نظریہ دبارہایہاں تک کہ قرون وسطیٰ میں اس نظریہ نے دوبارہ سر اٹھایااور نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں پوری قوت کے ساتھ سامنے آیاانسانی عقل کی بنیاد پر قائم ہونے والے اس نظریہ کو آج کے جدید دور میں ہیومن ازم [دین انسانی] کہاجاتاہے جس کے بانی جان لاک، ہیومن، نیٹشے، والٹئر اورروسو جیسے لادین فلسفی ہیں ہیومن ازم کاعقیدہ یہ ہے کہ انسان کو دنیامیں اپنی منزل پانے کیلئے کسی دیوی، دیوتااور اللہ کی ضرورت نہیں ہے، نعوذباللہ خداہو بھی تواب اسکی ضرورت نہیں رہی بلکہ انسان اپنی عقل کے بھروسے پر اپنی منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتاہے۔ ہیومن ازم کے ناخداؤں کے بیان کے مطابق ہیومن کی اصطلاح اس انسان پر کسی بھی طرح منطبق نہیں ہوسکتی جس کیلئے اللہ نے قرآن میں عبد کالفظ استعمال کیاہے بلکہ ہیومن بننے کیلئے اللہ کاانکارلازم ہے ہیومن حلال وحرام کی بندشوں سے آزاد ہستی ہے جو دنیاکے کسی الہامی دین یااعلیٰ اقدار کے بجائے خواہشات نفس کے مطابق زندگی گذارے پھراس سے بھی بڑھ کر یہ فکر محض خدااودین کے انکارتک محدود نہیں بلکہ اس انکارکے ساتھ خودانسان اپنی خدائی والوہیت کااقرار کرتی ہے۔

○ لادین نظام تعلیم

اس دین انسانی کو قبول کرنے کے بعد جو دوسری فکری تبدیلی یورپ میں نمودار ہوئی وہ مذہبی تعلیم کی جگہ لادین مادی نظام تعلیم تھی، اس دور میں فلسفے، سائنس، شاعری، خطابت اور مصوری جیسے مضامین پڑھائے جانے لگے، سائنس [مراد علوم طبیعیہ] وہ خاص مضمون تھا جو اُس دور میں اسلامی دنیا سے ترجمہ ہو کر یورپ میں پہونچا تھا، یورپ کے لادین سائنسدانوں نے اسے بالکل لادین طریقے سے پیش کیا اس کو اللہ کے انکار کی دلیل بنایا اوراسے عیسائی مذہب کو شکست دینے کیلئے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا، چونکہ عیسائیت کوئی علمی بنیاد پر کھڑا ہوا دین نہیں تھا اوراس کے پاس ان سائنسی نظریات کو قبول یا مسترد کرنے کا کوئی علمی ذریعہ نہ تھا، اسلئے اس نے ان نظریات کو ملحدانہ قرار دے کر ان سائنس دانوں کے خلاف ایک محاذ کھول لیا، جسے یورپ کی تاریخ میں "مذہب وسائنس کی جنگ" کہتے ہیں۔

یورپ میں عقل پرستی کا دور[۱۴۵۳ء تا ۱۶۷۵ء]

یورپ میں عقل پرستی [Rationalism] کا دور تحریکِ اصلاح کے بعد شروع ہوا تھا، نشاۃ ثانیہ والوں نے سائنسی علوم میں ترقی کر کے عقلیت کا نعرہ لگایا کہ ہم ہر چیز کو اپنی عقل کی بنیاد پر جانچیں گے، چنانچہ وہ دور آیا جسے "عقلیت پسندی "کا دور کہتے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے مذہب کو بھی عقل کی بنیاد پر پرکھنا شروع کر دیا ان کے نزدیک مذہب کی بنیاد اور ماخذ عقل ہے وحی نہیں اس عقلیت پسندی کے نتیجے میں ایک تصور ابھرا جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنی فکر میں اپنی سوچ میں اوراپنے عمل میں بالکلیہ آزاد ہے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہے سوچے اور جس طرح چاہے کوئی عقیدہ رکھے ، یانہ رکھے ، اور جس چیز کو چاہے مانے اور جس چیز کو چاہے نہ مانے اوراپنی انفرادی زندگی میں جو چاہے کرے یہیں سے آزاد خیالی یعنی لبرل ازم کا آغاز ہوتا ہے، عقل کو تمام امور میں اصل دلیل وپیمانہ ماننے کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے معاشرہ نے وجود باری تعالیٰ، آخرت پر ایمان اور حقائق غیبیہ [جن کی بنیاد علم نبوی یا وحی تھا نہ کہ تجربہ ومشاہدہ] کا انکار شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ آنے والی دو صدیوں میں یورپ کے معاشروں کی اکثریت پر الحاد غالب ہوتا چلا گیا یہی وہ نشاۃ ثانیہ کا دور ہے جس نے پہلے سے ہی گمراہیوں کی مرکب عیسائیت کو مزید گمراہی میں دھکیل دیا۔

وطنی ریاستوں کا قیام

یورپ میں ایک جانب سیکولر فکری انقلاب لوگوں کے ذہن تبدیل کر رہا تھا، دوسری طرف تحریک اصلاح کلیسا کو داخلی طور پر کمزور کر رہی تھی اور تیسری طرف برطانیہ پروٹسٹنٹ اصلاحات سے متاثر ہو کر بادشاہت سے پارلیمنٹ کی بالادستی کی طرف جارہا تھا۔ برطانیہ کے جزیرے کے دوسری طرف یورپ میں ایک اورانقلاب رونما ہوا جس نے آنے والے

دور میں دنیا کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے یہ ہولی رومن ایمپائر کی ریاستوں کے درمیان ہونے والی تیس سالہ جنگ کے نتیجے میں ہونے والا معاہدہ ہے یہ نشاۃ ثانیہ کے دور کا اہم واقعہ ہے، عیسائیت کا یورپ میں عروج ہولی رومن ایمپائر کے قیام سے شروع ہوتا ہے یہ بادشاہت ۹۶۲ء میں قائم ہوئی تھی، ۱۶۱۸ء میں ہولی رومن ایمپائر کی ریاستوں کے مابین جنگ چھڑ گئی یہ جنگ دراصل رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے درمیان تھی بنیادی مقصد جغرافیائی توسیع تھا اس جنگ کا اختتام ۱۶۴۸ء میں ویسٹ فیلیا کے مشہور معاہدے کے تحت ہوا اس معاہدے کے تحت بہت سی پروٹیسٹنٹ ریاستوں کو اپنے مذہبی طریقے پر عمل کرنے کی آزادی مل گئی دوسری طرف اس معاہدے کے تحت ہالینڈ ،سویزرلینڈ ،ملان ،سوائے ،گینوا، مینٹوا، لوکا، موڈینا وغیرہ ریاستوں کو آزادی ملی ۔یہ نہ صرف جدید یورپ بلکہ جدید دنیا کی تقسیم کی بنیاد تھی اور اسی معاہدے سے جدید ریاست، شہریت جغرافیائی حدبندی، حب الوطنی قومیت، وطنیت اور قومی افواج کے نظریات ابھر کر سامنے آئے، پھر جب خلافت عثمانیہ ختم ہوئی تو یہی عرب قومیت اور ترک قومیت کے نظریات مسلمانوں میں پیدا کیے گئے ،دوسری جنگ عظیم کے بعد جب سامراجی ریاستوں کو آزادی ملی تو انہی نظریات کی بنیاد پر نئے مسلمان ممالک وجود میں آئے ،آج امت مسلمہ ۵۷ مملکتوں میں تقسیم ہے، ۵۷ قومی فوجیں ہیں، ۵۷ قسم کی شہریتیں ہی، آج کی جدید وطنی ریاست کی تعریف جو اقوام متحدہ کے یہاں مقبول ہے اس کی چار شرائط ہیں اقتدار اعلیٰ، آبادی، جغرافیائی حدود اور گورنمنٹ اس سب کی بنیاد یہی منحوس معاہدہ ہے۔

(جاری ہے)

مجلہ کے بارے میں اپنی قیمتی تجاویز سے آگاہ کرنے کے لیے اس مجلہ میں دیے گئے سیشن ایڈریس پر اپنا پیغام ارسال کریں

سائنس و ٹیکنالوجی کا دوسرا رخ

مولانا سید خالد جامعی

عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ایجادات نے دین پر عمل کو آسان کر دیا ہے، حج کرنا، عمرہ کرنا، زیارتیں کرنا، ایک دوسرے سے میل جول اور عبادات میں سہولت سب کچھ ممکن ہو گیا ہے، یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے جس پر عالم اسلام کی اکثریت کو شدت سے اصرار ہے مگر اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے وہ یہ کہ

- آج سے چالیس سال پہلے کیا نیک سادہ زندگی بسر کرنا آسان تھا یا آج آسان ہے؟
- کیا سائنس و ٹیکنالوجی کی بے تحاشا ترقی کے باعث گناہ گار زندگی بسر کرنے کے مواقع ہر شخص کو ہر وقت میسر ہو گئے ہیں یا نیک زندگی کی خواہش نے ہر دل میں جگہ بنالی ہے؟
- کیا آج گناہ سے بچنا ممکن ہے؟

گناہ سے بچنے کی شدید کوشش کے باوجود آپ کو گناہ سے گزرنا لازمی ہے، ٹی وی انٹرنیٹ استعمال کرنے والے گناہ گار نیکیوں کی فصلِ بہار سے خوب واقف ہوں گے، ایک ایسا نظام زندگی ترتیب دے دیا گیا ہے کہ ارتکاب گناہ کے بغیر نیک کام کرنا ممکن نہیں رہ گیا ہے، جب تک کاریں، اے سی، کولر، فریج، بوتلیں، فریزر نہیں تھے تو اکثر دین دار لوگ سنت پر عمل کرتے ہوئے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے لیکن اب گھر میں کار میں دفتر میں اے سی ہے لیکن دین دار لوگ روزے نہیں رکھتے حالانکہ اب تو زیادہ روزے رکھنے چاہیں، جب لوگوں کے پاس فون، کار، موٹر سائیکل نہیں تھی تو لوگ سال میں کئی بار قبرستان بھی جاتے تھے اور اپنے عزیزوں کے پاس بھی لیکن جب سے یہ سہولتیں حاصل ہوئی ہیں لوگ رشتہ داروں سے سالانہ ملاقات کرتے ہیں، سال میں ایک بار قبرستان جاتے ہیں، جب تیز رفتار سواریاں نہیں تھیں تو لوگوں کے پاس وقت تھا لیکن جب یہ سواریاں آگئیں تو نہ رشتہ داروں کے لئے وقت ہے نہ قبرستان کے لئے، نہ ماں باپ کی خدمت کے لئے آخر یہ وقت جو گاڑیوں نے بچایا کہاں چلا گیا ظاہر ہے گاڑی کو رکھنے کے لئے سرمایہ چاہیے جو وقت بچ گیا وہ سرمایہ کمانے کی نظر ہو گیا۔

عصرِ حاضر میں بارہ گھنٹے کام کئے بغیر ضروریات زندگی کا حصول ممکن نہیں لہذا وقت اب مارکیٹ کی نذر ہو گیا ہے، اشیاء ٹیکنالوجی نے مہیا کر دی ہیں مگر وقت چھین لیا ہے، دیہاتوں میں وقت اس لئے ہوتا ہے کہ زندگی سادہ، روزگار گھر کی چوکھٹ پر میسر اور خاندانی زندگی کے ساتھ منسلک ہے مارکیٹ میں جا کر وقت خاندان کہاں؟ جب تک گھروں میں قرآن کے قلمی نسخے تھے

ہر گھر سے تلاوت کی صدا گونجتی تھی جب سے طبع شُدہ لاکھوں قرآنی نسخے آگئے ہر گھر میں چار پانچ مصحف جمع ہیں تو کسی گھر سے تلاوت کی آواز نہیں آتی۔ حتیٰ کہ گھروں میں ٹیپ ریکارڈ بھی نہیں چلائے جاتے کہ قرآن کی آواز تو سُنائی دے لیکن کاروباری لوگ صبح دوکان کھولتے ہی یہ کام کاروبار میں برکت کے لئے نہایت خشوع و خضوع سے پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورتوں کے جسم بیچنے والا سی ڈی کا کاروباری بھی یہ کارِ خیر انجام دیتا ہے۔ ہر گھر اور گاڑی میں ٹیپ ریکارڈر ہے لیکن گھروں اور گاڑیوں میں ٹیپ پر قرآن چلانے کی ریت نہیں ہے۔ انسان کی آواز نہ سہی ٹیکنیکل آواز ہی سہی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں اندر کا انسان ہی مر گیا ہے تو تلاوت کی آواز کیسی؟ انسان زندہ ہے پر اس کا قلب بے نور ہے وہ دنیا میں مبتلا ہے اور ٹیکنالوجی اسے آخرت سے کاٹ کر دنیا سے جوڑنے کا فریضہ تن دہی سے انجام دے رہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے انسان کو زندہ کرتے اور اسے نئی روح عطا کرتے ہیں جو بظاہر زندہ اور فی الحقیقت مردہ ہے، کیا وجہ ہے کہ جدید ایجادات انسان کو اپنے دین، مذہب، روایت، تاریخ اور رشتوں سے دور کر رہی ہے؟ بیٹی ماں کو روزانہ چھ مرتبہ فون کرے گی لیکن ہفتے میں ایک دن بھی ماں کے گھر جانا پسند نہیں کرے گی، فون نے رشتے بھی کاٹ دیے ہیں، ہم اسے رشتے جوڑنا سمجھتے ہیں، بیٹی پہلے ہر ہفتے ماں کے گھر رہنے جاتی تھی اب سسرال ہی رہتی ہے کیونکہ ماں کے گھر میں اے سی نہیں ہے نہ بیٹی کے پاس وقت، یہ تبدیلیاں کس انقلاب کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں؟ تاریخ میں آتا ہے کہ مسلمان ہر سال ایک ریاست کے بادشاہ سے خراج لینے جاتے تھے ایک سال گئے تو اس نے خراج دینے سے انکار کر دیا انہوں نے پوچھا کہ تم نے پہلے تو کبھی انکار کی جرات نہیں کی اب کیوں؟ اس نے کہا پہلے جو لوگ خراج لینے آتے تھے مجھے ان کے چہروں سے خوف آتا تھا ان کو دیکھ کر میرے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ میں خراج ادا کرنے سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے چہرے خشک سوکھے ہوئے، گال پچکے ہوئے، پیٹ اندر دبے ہوئے، آنکھیں دھنسی ہوئیں اور کپڑے پیوند زدہ مگر ان کے چہروں پر ایک نور اور جلال ہوتا تھا۔ تم ان تمام صفات سے خالی نظر آتے، ہو وہ لوگ کہاں چلے گئے؟ تم ان کو لے آؤ میں ان کو خراج دے دوں گا۔ تم کو ایک پائی نہ دوں گا۔ کیا یہ سب تاریخ کے افسانے ہیں یا حقیقت بھی ہیں؟

اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ کفار کے دلوں پر اہل ایمان کا رعب دبدبہ قائم کر دیں گے، یہ وعدہ قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے، عصرِ حاضر کے مسلمان خوش حال ہیں، ان کے گال پچکے ہوئے نہیں، ان کے کپڑے شاندار ہیں، گھر عالی شان مگر دنیا پر ان کی کوئی ہیبت نہیں، فارغ البالی، مرفع الحالی، عیش میں اضافہ خوش حالی، ترقی کی آرزو وہی ان کے دینی فہم کا حاصل ہے، عصر حاضر میں نیک کام بھی بدراہ سے ہوتا ہے؟ دینی پروگرام ٹی وی پر دیکھنے کے لئے آپ کو طوائفوں کے اشتہارات کے جھرمٹ سے گزرنا ہوتا ہے، بدراہ سے گزر کر دین کا علم ملتا ہے، آپ جدید ٹیکنالوجی کا کوئی بھی طریقہ اختیار کریں خیر کے حصول کے لئے آغاز یا انجام شر سے لازماً گزرنا پڑتا ہے، کیا ایسا خیر خالص رہ سکتا ہے؟ کیا ایسے غیر خالص خیر سے ایمان کا نور پھوٹ سکتا ہے؟

اے مسلمانو! جہاد تمہاری زندگی ہے، جہاد تمہاری عزت ہے، تمہارا وجود اور بقاء بھی جہاد ہی کے ساتھ منسلک ہے۔ اے داعیو! اس آسمان کے نیچے تم کبھی بھی عزت سے نہیں رہ سکو گے بجز اس کے کہ تم ہتھیار اٹھالو اور طاغوتی حکمرانوں، کافروں اور ظالموں کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ جان لیجیے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا دین جہاد اور قتال کے بغیر، لہو پیش کیے اور لاشوں کا نذرانہ دیے بغیر ہی فتح پا جائے گا وہ لوگ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اور اس دین کے مزاج سے قطعی ناواقف ہیں

شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ

